ماھنامہ

حکمت بالغہ

جنوری2009

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

حرف آرزو

آرزوؤں کی دنیا ایک الگ اور منفرد دنیا ہے۔تاہم آرزووفقط ذہنی اور قلبی کیفیات میں مقید رہے تو لا حاصل ہے جب تک اس کے جلو میں اپنی سی سعی پیہم جہد مسلسل اور قربانی وایثار کا اثاثہ شامل نہ کیا جائے۔بقول شاعر

یہ آروزو بھی بڑی چیز ہے مگر اے ہمدم
وصال یار فقط آرزو کی بات نہیں

قرآن اکیڈمی جھنگ کے وابستگان جانتے ہیں کہ اس اکیڈمی کی تشکیل وتعمیر میں اور بالخصوص حکمت بالغہ کے اجراء و مسلسل اشاعت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے مختصر وقت جو کامیابیاں دی ہیں اور عنایات فرمائی ہیں وہ بیان سے باہر ہیں۔(وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها ''اور اگر اللہ کا احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو'') فلله الحمد والمنته۔

آئندہ سال 2009ء میں ان شاء اللہ حکمت بالغہ کا حسب وعدہ ''احیاء العلوم نمبر'' قارئین تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ادارہ اس بات کی بھی بھرپور کوشش کرے گا کہ انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ اور قرآن اکیڈمی کی سالانہ کارکردگی رپورٹ، سالانہ اجلاس کے ساتھ ہی حکمت بالغہ میں شائع

کرنے کا اہتمام کیا جائے تا کہ انجمن کی سرگرمیاں وسیع حلقے تک متعارف ہوسکیں اور یقیناً اس طرح اعوان وانصار کے حلقے میں اللہ تعالیٰ نے چاہاتو وسعت پذیری کا عمل شروع ہوگا۔

2009ء کے منصوبوں میں اہم منصوبہ ایم اے کے طلبہ کے لئے قرآن اکیڈمی میں ''فری ہاسٹل'' کا منصوبہ ہے اس کے لئے کوششیں گزشتہ دوسال سے جاری ہیں مگر کچھ دیدہ اور نادیدہ رکاوٹیں ہیں جواس کے قیام میں مانع ہیں۔اللہ تعالیٰ نے چاہااور نصرت خداوندی شامل رہی توامسال ستمبر(2009ء) سے اس کا آغاز ہوجائے گا۔

حکمت بالغہ میں'' 20 نامورشخصیات'' پرسیمیناروں کی تحریری رپورٹوں، خلاصوں اور تبصروں کا سلسلہ ان شاء اللہ جاری رکھنے کی بھرپورکوشش کریں گےاور اللہ تعالیٰ کومنظور ہوا تو اس سلسلہ کی تکمیل پراس سارے''اثاثہ'' کوکتابی شکل میں لاکروسیع ترحلقہ تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔وما ذالك على الله بعزيز۔

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

کے اگست 08ء کے خصوصی شمارے ''حقیقت علم نمبر''میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مروّجہ مغربی علوم ابتداء، پرداخت اور غیر فطری بنیادوں پر پروان چڑھنے کی وجہ سے یہ علوم معرفت الٰہی کی بجائے خدا بیزاری، وحی کی بجائے حیوانی عقل اور ضمیر وفطرت کے ضابطوں کی پیروی کی بجائے حیوانی جبلتوں اور سفلی جذبات کی تسکین ہی کو اپنی معراج سمجھنے لگے ہیں۔

گزشتہ ایک صدی میں علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر رفیع الدین رحمہم اللہ سب اکابرین نے ان علوم کو مسلمان کرنے اور خداشناسی، وحی، علوم نبوت کی بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے تاہم یہ کام نتائج کے اعتبار سے کچھ ابتدائی کوششوں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

اس شمارے کے آخر میں اس عظیم کام کے لئے ''احیاء العلوم'' کا عنوان تجویز کیا گیا ہے۔

ان شاءاللہ حکمت بالغہ کا ''احیاء العلوم نمبر'' چند ماہ میں آپ کے ہاتھوں میں ہو گا۔

اہل علم اور اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس نیکی کے کام میں قلمی تعاون اور رہنمائی فرمائیں۔(ادارہ)

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

کے دوخاص نمبر جواپنی نوعیت کے منفرد مندرجات اورفکرانگیز مواد کے حامل ہیں

حکمت بالغہ حرف آرزو دسمبر 07ء حقیقت انسان نمبر

حصہ اول حقیقت انسان فکرانسانی کے آئینہ میں

فرمان الٰہی انسان کی تلاش خدااورانسان تاریخ کے آئینے میں اسلامی تمدن اورثقافت

عروج مغرب انسان نے کیاسوچا WHAT IS MAN

حصہ دوم حقیقت انسان قرآن وسنت کی روشنی میں

فرمان الٰہی انسان کی عارضی اوردائمی زندگی کے 5 مراحل حقیقت انسان کائنات میں انسان کا مقام

انسان خالق کائنات کاتخلیقی شاہکار یسئلونک عن الروح(1) یسئلونک عن الروح(2) حقیقی انسان اورلباس

حصہ سوم حقیقی انسانی زندگی کے تقاضے اورلوازم

فرمان الٰہی حقیقی ایمان تقرب بالفرائض وتقرب بالنوافل م دوانسان تقرب الٰہی کیسے

حقیقی انسان اور جماعتی زندگی رضائے الٰہی اور دیدارالٰہی

اگست 2008ء حقیقت علم نمبر

1۔ فرمان خداوندی

2۔ حرف آرزو

3۔ پہلاحصہ(مشاہدہ......تجربہ اور عقل)

4۔ دوسراحصہ(تجرباتی علوم پر تعقل کی حکمرانی)

5۔ تیسراحصہ(سوشل سائنسز کی تشکیل وترقی)

6۔ چوتھاحصہ(فکرمغرب کا فطری اساسات سے انحراف اوراس کے تباہ کن نتائج)

7۔ پانچواں حصہ(پس چہ باید کرد؟...... علاج)

اہل علم واہل ذوق حضرات کے ہاتھوں میں پہنچنے کے منتظر ہیں

پچاس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر ماہنامہ حکمت بالغہ قرآن اکیڈمی

طلب فرمائیں

عقل ونقل کی کشاکش کی تاریخ
اور
فتنہ انکار سنت ﷺ

انجینئر مختار فاروقی

1۔ علمی نقطہ نظر سے تاریخ انسانی پر نگاہ ڈالیں تو خیر کی قوتیں اور شر کی قوتیں آپس میں دست وگریباں نظر آتی ہیں کبھی شر غالب آ جاتا رہا ہے اور کبھی خیر کا بول بالا رہا ہے۔ اگرچہ خیر کے غلبہ کا دور ہمیشہ مختصر رہا ہے۔

2۔ اسی خیر وشر کی کشاکش اور تنازع للبقاء کے لئے مختلف ادوار میں تہذیب وتمدن کے ارتقاء کے ساتھ خیر اور شر کی طرف داری کرنے والوں کے نام ______ اور ______ میدان کارزار بھی بدلتے رہے ہیں پہلے یہ انبیاء کرام علیہم السلام تھے جو خیر کے علمبردار بنتے تھے یا ان کے براہ راست تربیت یافتہ اور شاگرد (جو صحابہ کرام ؓ اور حواری کہلائے) ہوتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ کے دور کے بعد اب عام انسان ہیں جو علوم انبیاء اور وراثت علمی ومعنوی کو لے کر علم وعمل کی قوتوں کو یکجا کر کے شر کی علمبردار قوتوں سے نبرد آزما ہیں۔ شر کے علمبرداروں میں انسانوں میں سے ہی بہت سے لوگوں کے نام آتے ہیں۔

3۔ یوں تو ہر انسانی آبادی میں اچھے برے لوگ موجود ہیں اور بری سے بری جگہ کلب، اور سوسائٹی میں اچھے باضمیر لوگ نکل آئیں گے اور اچھی سے اچھی جگہ سوسائٹی کلب اور بیٹھک پر برے لوگ پائے جائیں گے تاہم مجموعی طور پر شر کے حامی اور علمبردار لوگ معاشرے کے ELITE طبقہ کے نمائندے، عادی مجرم، فواحش کے دلدادہ، منکرات کے رسیا، بدکردار صاحب ثروت، بے لگام

سرداراور بے اصول مطلق العنان حکمران ہی رہے ہیں۔

4۔ خیر وشر کی یہ معرکہ آرائی اور معرکہ سازی کبھی جنگوں کا روپ دھارتی رہی ہے تو کبھی فلسفہ وادب کے میدان میں قلم وقرطاس کے روپ میں جاری رہی ہے۔

5۔ قلم وقرطاس کے روپ میں آ کر یہ کشاکش اور تنازع للبقاء کا معرکہ کتابوں لائبریریوں اور درسگاہوں میں جاگزیں ہوا ہے جہاں علمی مسندیں اور ذہنی صلاحیتیں اس کے لئے بطور ہتھیار استعمال ہونا شروع ہوئے ہیں۔

6۔ خیر کے نمائندوں نے وراثت انبیاء علیہم السلام وحی کی حفاظت اور اس کے مقام کے تحفظ کے لئے معرکہ آرائی کی ہے اور صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے تو شر کے علمبرداروں نے محض مفادات اور حیثیت وسرداری وحکمرانی کی خاطر خیر کی مخالفت کا علم بلند کیا ہے اور محض تعقّل اور منطق کے ساتھ انسانی سوچ، خودنمائی، عریانی، بے حیائی والے جبلی داعیات کو دلیل بنایا ہے۔

7۔ ابتداء میں خیر اور شر کی اس مسلسل جاری جنگ میں نزاع کی اصل وجہ (غالباً) انسان کا اپنی ''حقیقت'' کو پہچاننے میں ایک واضح فرق وتفاوت کا نتیجہ ہے اور اس نزاع کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے اب یہ جنگ آج کے ترقی یافتہ علمی دور کے تقاضوں اور شر کی حامی قوتوں کی بے پناہ جاذبیت (ATTRACTION) کے سبب عالمی سطح پر آ گئی ہے۔

8۔ اس ''نزاع'' کے اثرات علمی وعملی طور پر دنیا میں بہت گہرے بھی ہیں اور وسیع بھی اور علمی درسگاہوں اور جامعات میں بھی ہیں اور معبدوں، مسجدوں وخانقاہوں میں بھی۔

9۔ تاریخی طور پر آج سے تین ہزار سال پہلے تک دنیا میں وسائل وذرائع کی کمی تھی اور یوں دنیا مختلف علاقائی تہذیبوں، تمدنوں اور نظریات کے تحت منقسم تھی اور انسانیت ایک آدم کی اولاد ہونے کے باوجود مختلف ملکوں اور قوموں کے خانوں میں مقیّد تھی۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خیر کے علمبرداران مختلف علاقوں اور قوموں میں آئے اور اس سے پہلے کہ ان کے خیالات اور لائی ہوئی ہدایت، زبانوں، علاقوں اور تہذیبوں کے بندھن توڑ کر محض سچائی کی بنیاد پر عالمی سطح پر اپنا لوہا منواتے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی زندگی کا موعود وقت پورا

کر کے تشریف لے جاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دوسرے پیغمبر بھیج دیتا تھا اور یوں خیر وشر کی اس جنگ میں جسے وحی اور عقل کی جنگ بھی کہا جا سکتا ہے، فریقین اور ''SCENARIO'' بدل جاتے رہے اور اسی طرح وسائل و ذرائع کی کمی بیشی اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ نئے انبیاء علیہم کی آمد کی وجہ سے میدان جنگ بدلتے بھی رہے اور اسلحہ بردار لشکر بھی۔ تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی میں انبیاء کرام کی آمد کے سلسلہ میں چھ صدیوں کا وقفہ ڈال دیا۔

10۔ فترۃ وحی کا یہ وقفہ کیا ہوا؟ خیر وشر کی کشاکش یا وحی و عقل کی معرکہ آرائی میں عقل کا پلڑا بھاری ہوتا چلا گیا اور اس طرح اسے کئی ارتقائی صورتیں اختیار کر کے عالمی رنگ اختیار کرنے کا لمبا موقع مل گیا۔ اور ہوتے ہوتے یہ معرکہ آرائی نقل و عقل کی جنگ شمار ہونے لگی۔ یہاں لفظ نقل بڑا معنی خیز ہے اور اکثر ذہن میں اشکالات پیدا کرتا ہے لہٰذا اس کے معنی یہیں ذہن نشین کر لئے جائیں تو عافیت رہے گی (ان شاء اللہ)۔

خیر اور وحی کے علمبرداروں کے پاس ہمیشہ سے منبع علم اور سرچشمہ ہدایت (GUIDANCE) وحی کا علم رہا ہے۔ یا اس آسمانی ہدایت اور وحی (جو کہ غیر مبدّل تھی) کی وہ تشریح تھی جو انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے شاگردوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کی تھی انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہ تشریحات بھی ایک طرح سے غیر مبدّل (UN-NEGOCIABLE) ہونے کا مقام حاصل کر لیتی تھیں کہ جو پیغمبر فرما گئے ہیں بس وہی پیغمبر علیہ السلام کا فرمودہ ہے بات کو مدلّل کرنے کے لئے جہاں پیغمبر علیہ السلام کی بات کی ضرورت ہوگی ان کی طرف منسوب بات کو پہلے ثابت کرنا ہوگا۔ کہ یہ بات انہیں کی ہے بعد ازاں وہ دلیل و حجت بنے گی۔ اس لحاظ سے علوم انبیاء کرام علیہم السلام یعنی وحی اور اس کی پیغمبرانہ تشریحات کو ایسا ''علم'' قرار دیا گیا ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے ''نقل'' ہوتے ہوتے ''تواتر'' سے یا BY INHERITANCE ہم تک پہنچا ہے۔ یہ لفظ نقل واضح رہے امتحانی ''نقل'' یا نقلی اور ''جعلی'' ہونے کے معنےٰ میں نہیں کسی قاری کو یہ غلط فہمی لاحق نہ ہونے پائے۔

معرکہ کا دوسرا فریق ''عقل'' ہے یہاں عقل سے مراد وحی خداوندی اور علوم انبیائے

کرام علیہم السلام سے ''آزاد'' ہوکر محض عقل انسانی کے تحت SECULAR انداز میں بڑھنے اور پھیلنے والے تمام علوم ہیں جو علوم عقلیہ کہلاتے ہیں۔ آج کے دور میں تبعاً ان علوم عقلیہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی بھی آجاتی ہے اس لئے کہ یہ بھی علوم عقلیہ ہی کی طرح آج انسانی عقل کی بنیاد پر حاصل شدہ علمی مواد ہے جو انسان کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی مغرب کے زیر اثر ''بے دین'' اور ''بے خدا'' ہوکر موجودہ مقام کو پہنچی ہے تو یہ بھی سیکولر انداز اور سوچ کی وجہ سے عقل ہی کے پلڑے کو مضبوط کرتی ہے وگرنہ اصلاً تو سائنس اور کائنات کے ذرے ذرے کی حرکات وسکنات کا علم ''علم وحی'' اور نقل کے پلڑے میں ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ حقیقی سائنس اور تجرباتی علم تو قول خداوندی کے ہمراہ ''فعل خداوندی'' کا بیان ہے جس میں تضاد چہ معنی دارد؟ ممکن ہی نہیں۔

؎ ہر چہ می بینم خداوندا غیرے تو نیست
یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

نتیجے کے طور پر نقل وعقل کے دو الفاظ دراصل دو معنوی لشکروں کی طرح ہیں جو ہر وقت برسرِ پیکار اور آمادہ جنگ ہیں اور غلط فہمی کی بنیاد پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اسی معرکہ آرائی کا نام ''نقل وعقل کا تنازع'' یا زیادہ سچ الفاظ میں ''تنازع للبقاء'' ہے اور اس کا فیصلہ خود انسانیت کے لئے بڑا اہم اور ''زندگی موت کا مسئلہ'' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر چیزوں کی طرح نقل وعقل کے اپنے اپنے مقام پر رہنے ہی کو 'احسن تقویم' اور حسنِ کائنات سے تعبیر فرمایا ہے۔

خالص علمی سطح سے گزر کر جب یہ بحث ادبی حلقوں میں آتی ہے تو شعراء اور ادباء کی زبان میں اس معرکہ کو ''عشق وعقل'' کی جنگ سے موسوم کیا جاتا ہے ہمارے ہاں کی مذہبی شاعری اور تصوف عقل وعشق کی اصطلاحات میں بات کرتے ہیں۔

؎ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

علوم عقلیہ کا آغاز اور عروج

عقل اور نقل کی اس معرکہ آرائی میں ''عقل'' نے ایک موقع پر گہرا وار کیا اور اپنے لئے ترقی اور آگے بڑھنے کے وسیع امکانات پیدا کر لئے بظاہر یہ موقع بڑا سنہری ثابت ہوا مگر حقیقتاً عقل کی معنوی شکست کے لئے مسکت دلیل بن گیا۔ تاریخ عالم میں ہوا یہ ہے کہ 600 قبل مسیح سے ایک ایسی سوچ کے پروان چڑھنے کے آثار وشواہد ہیں کہ علوم وحی کے حامل افراد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا جاتا رہا اور یوں ''نقل'' کی بنیاد ہی کو ڈھا دینے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ موجودہ تورات اور قرآن مجید اس مہم کے تواتر کا ذکر کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

(i) وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (2-61)

''اور نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے''

(ii) وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (4-155)

''اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے کی وجہ سے''

(iii) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ (3-21)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں''

تورات کے مطابق ان ہزاروں برگزیدہ انسانوں کا قتل دراصل عقل کی شکست کا مظہر ہے مگر ان چھ صدیوں میں آسمانی ہدایت کے دشمن، اور ''خلاف نقل'' ذہن نے ایک منظّم گروہ کے طور پر ایسا کام کیا ہے اور اس کو پھیلایا ہے کہ گویا قبل مسیح دور میں بھی ایک عالمی جال WORLD WIDE WEB بنانے کا آغاز کر دیا۔ یہ سلسلہ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی تک جاری رہا ہے (واضح رہے کہ مسیحی برادری کی غالب اکثریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی پرچارک ہے) حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد بھی طویل عرصے تک کوئی شخص وحی اور (REVEALATION) کا دعویٰ لیکر سامنے نہیں آیا۔ اور یوں علوم عقلیہ اور علوم طبعی کو ''آزاد

خیالی'' کے ساتھ آگے بڑھنے کے بھرپور مواقع میسر آ گئے تا آنکہ 610ء میں حضرت محمد ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے اور 630ء میں قیصر روم کے مدمقابل آئے تو دنیا نے دیکھا کہ ''قرآن'' آ گیا ہے اور یہ الھدیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں۔ اس سے عقل و نقل کی جنگ ایک نئے اور آخری مرحلے میں داخل ہوگئی اور یہ مرحلہ آج تک جاری ہے اگرچہ اس کے ہزاروں بھیس اور بے شمار محاذ ہیں جہاں جنگ جاری ہے۔

بڑا اہم سوال یہ ہے کہ 600 ق م سے لیکر 630 عیسوی تک کے طویل دور میں ''وحی'' کے پیش کرنے والوں اور اس کے حاملین اور علمبر داروں کا گلا گھونٹ دیا جاتا رہا اور عقل کو ''آزاد خیال'' اور آزاد منش اور بے لگام حکومتوں، بادشاہوں، شہنشاہوں، وڈیروں اور سرداروں کی حمایت حاصل رہی، ان بارہ صدیوں میں اس معرکے کی تاریخ بڑی حیران کن ہے کہ ہر طرف شیطان اور ابلیسی قوتوں کے زیر اثر عقل کی حکمرانی کا دور دورہ رہا ہے۔ انسان ابلیسی قوتوں کے زیر اثر آکر بظاہر ''عقل'' کے تحت زندگی گزارتا رہا ہے اور بڑا فخر کرتا رہا ہے مگر درحقیقت انسان اس دور میں شرف انسانی سے گر کر حیوانی سطح پر اتر گیا تھا اور حیوانوں کی طرح صرف جذبات اور سفلی جبلّی خواہشات کے تحت زندگی گزار رہا تھا۔ کھانا، پینا، بچوں کی پیدائش و پرورش ـــــــــ بس یہی کچھ تو جانور بھی کر لیتے ہیں۔ انسان نے بھی ایسا کر دکھایا تو کونسا کارنامہ سرانجام دیا ـــــــــ شاید کمیّت یا QUANTITATIVE فرق ہو تو ہو، کوئی کیفیت یا QUALITATIVE فرق سرے سے باقی نہیں رہا۔ انسان ـــــــــ بس دو ٹانگوں پر چلنے والا خاص شکل وصورت کا حیوان بن گیا۔

انسان جب آسمانی ہدایت سے پہلو تہی کرتا ہے تو ایسا کر کے وہ محض کچھ پابندیوں سے بھاگ کر ایک فرضی ''آزادی'' کی طرف ہی نہیں آجاتا ـــــــــ بلکہ درحقیقت ابلیسی اور شیطانی قوتوں کے انتقامی منصوبے میں پھنس جاتا ہے جس سے نکلنا اس کے لئے اب آسان نہیں رہتا۔

قرآن پاک میں (اور ہر آسمانی کتاب میں) اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق اور عظمت

انسانی کا تذکرہ کیا ہے اگر بعض آسمانی ہدایت کے مرقعے جو مرورِ زمانہ سے گم ہو گئے یا تحریف کا نشانہ بن گئے ان کی باقیات میں کچھ مسخ شدہ اور نامکمل تشریحات ملتی ہیں تو بھی ان سے اس عظیم واقعہ کی طرف اشارہ ضرور ہوتا ہے ــــــــــــــ تاہم ایک بات طے ہے کہ

- ☆ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بطورِ خاص تخلیق فرمایا اور اشرف المخلوقات بنایا۔
- ☆ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے جو اس دنیا میں موت کے بعد شروع ہو گی جس میں انسان کو اس دنیا میں کیئے گئے اعمال اور کردار کی بنیاد پر بدلہ ملے گا وہ ہمیشہ ہمیش کا آرام ہو گا یا دوزخ اور آگ ہو گی۔
- ☆ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فطرت اور ضمیر کی بے پناہ صلاحیتیں دی ہیں مگر اچھی زندگی اور آخرت میں جنت کے حصول کیلئے رہنمائی کی خاطر وحی اور رسالت کی نعمت بھی جاری فرمائی تا کہ انسانوں پر اتمام حجت ہو سکے۔
- ☆ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی بنا پر انسان فرشتوں اور جنوں سے بھی زیادہ معزز بنا دیا گیا اور جنوں اور فرشتوں سے انسان کی عظمت کا اعتراف کرایا گیا۔ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے پوچھا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو اپنی ناقص سمجھ کی کسوٹی پر پرکھنے کی وجہ سے غلط خیال کر کے نافرمانی بھی کی اور اپنے غلط عمل کے دلائل بھی دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو اس شیطانی طرزِ عمل کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہدایت (اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل علیہم السلام کی حقیقی تعلیمات) کو محض عقل کے معیار پر پرکھ کر رد و قبول کرنے کی وجہ سے دھتکار دیا اور راندہ درگاہ کر دیا ــــــــــــ لیکن ساتھ ہی نوعِ انسانی کی آزمائش کے لئے گمراہی کا SYMBOL اور داعی بنا دیا تا کہ لوگ اس کے جال اور چالوں سے بچیں اور اس کے راستے پر نہ چلیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کہنے پر چلیں اور آخرت میں کامیاب ہو جائیں
- ☆ آج بھی وہ بڑا شیطان اپنے انتقامی جذبات کے ساتھ زندہ ہے اور اس کے ایجنٹ انسانوں اور جنوں میں (من الجنة والناس) بھی سامنے موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے انسانوں کو بے راہ کرنے کیلئے جال پھیلانے اور ورغلانے کی مہلت دی ہے شیطان نے اللہ تعالیٰ کو بھی چیلنج کر دیا تھا کہ وہ اولاد آدم علیہم السلام انسان کو ورغلائے گا اور بے حیائی کے کاموں کے ذریعے راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کرے گا اور ثابت کر دے گا کہ انسان اس سے بہتر اور سجدے کے قابل نہیں تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اس چیلنج کو قبول کر کے فرمایا جو حقیقی انسان ہوں گے وہ تیرے جال اور پھندے میں نہیں پھنسیں گے اور ان پر تیرے استدلال کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ہاں جو ــــــــــــ دل سے پہلے ہی گمراہی کی طرف جانا چاہتے ہوں گے اور انہوں نے بے حیائی اور بے عملی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی زندگی کا فیصلہ کر لیا ہوگا۔ وہ تیری طرف آجائیں گے ــــــــــــ اور اللہ تعالیٰ شیطان اور اس کے سارے متبعین کو ''جہنم'' میں ڈال دے گا۔

آسمانی ہدایت سے براہ راست منہ موڑ کر یا اس کی من مانی تاویلات کر کے اور عمل سے جان بچا کر یا اس ہدایت کو مانتے ہوا اس کے عملی تقاضوں (اتباع سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ) کا انکار کر کے انسان دراصل شیطان کے اس انتقامی منصوبے میں پھنس کر شرف انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے اور ہوتے ہوئے آگے بڑھ کر (اگرچہ توبہ کر کے واپسی کا راستہ اختیار کر سکتا ہے) ''حزب الشیطٰن'' میں شامل ہو کر نہ صرف خود گمراہ بلکہ ــــــــــــ شیطان کا ایجنٹ بن دوسروں کو گمراہ کرنے کا ''داعی'' بن جاتا ہے۔

ایک اور حقیقت کا تذکرہ اس بحث میں مفید مطلب ہوگا اور وہ یہ کہ ــــــــــــ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بحیثیت انسان بے شمار صلاحیتیں دی ہیں ان میں حواس خمسہ ہیں جن کے ذریعے انسان ''علم'' حاصل کرتا ہے پھر ''دماغ'' اور ''عقل'' دی ہے عقل کی صلاحیت تعقّل (عقل سے کام لینا) یعنی INTELLECT ہے۔ مختلف باتوں سے نتائج نکالنا اور درجہ بندی کر کے اچھی اور اعلیٰ کو اختیار کرنا اور کمتر کو رد کر دینا وغیرہ۔ آج کی ساری سائنسی ترقی نسل انسانی کی اجتماعی محنت اور کئی سو انسانی نسلوں کے اجتماعی تجربات کا حاصل ہے اس تجرباتی علوم کے ذخیرہ میں سے استفادہ

کے لئے مسلم / غیر مسلم کا بھی کوئی فرق نہیں جو محنت کرے گا اس علم سے مستفید ہو سکے گا۔

مذاہب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس تجرباتی علم کے ساتھ ساتھ ابتدائے انسانیت سے انبیاء کرام علیہم السلام، وحی، رسالت اور آسمانی ہدایت کا سلسلہ جاری رہا ہے تا آنکہ آج سے چودہ صدیاں پہلے محمد (ﷺ) نام کے ایک انسان نے نبی اور رسول ہونے کے دعوے کے ساتھ آخری نبی ﷺ ہونے کا دعویٰ بھی فرمایا اور قرآن جیسی مقدس اور مدلل کتاب بھی انسانیت کو دی۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

یہ نسخہ کیمیا انسان کے لئے مجموعی طور پر اچھی زندگی گزارنے کا مرقع ہے اور اس کا عملی نمونہ حضرت محمد ﷺ کی خود ذاتی زندگی ـــــــــــــ سیرت و سنت رسول ﷺ تھی جو ہر ممکن طریقے اور معیار کے مطابق محفوظ ہے۔

تجرباتی علوم سے انسان نے مادی ترقی کی ہے اور ایجادات و اختراعات کی ہیں اور یہ علم وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ جبکہ ـــــــــــــ آسمانی ہدایت کے تحت آ کر انسان نے اعلیٰ اخلاق، کردار، خدمت خلق، انسانی بھلائی، فلاح و بہبود، عدل و انصاف، کمزوروں کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ جیسی اعلیٰ صفات اپنے اندر پیدا کی ہیں۔

اہل علم و فراست اور اصحاب دانش و بینش نے اسی لئے "علم" کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے

العلم

آسمانی ہدایت	تجرباتی علوم
وحی	جس کے بے شمار شعبے ہیں
آسمانی کتابیں	اور آج انسان کا یہ علم انتہائی
پیغمبروں کی تعلیمات	بلندیوں کو چھو رہا ہے
REVEALED	ACQUIRED
KNOWLEDGE	KNOWLEDGE

علم کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے مندرجہ بالا تقسیم بڑی معقول اور حقیقت کے قریب ہے۔

انفرادی بے راہ روی، لبرل ازم وحیوانیت (بے حیائی)
اور شیطانی قوتوں کا گٹھ جوڑ

گفتگو انفرادی سطح کی بے راہ روی یا ضمیر کی خلاف ورزی کی ہو یا اجتماعی سطح کی گمراہی کی اور گمراہ کن فلسفوں اور مختلف نظریات کی ———— جو نوع انسانی کو شرف انسانی سے محروم کر کے حیوان بنانے کی جدوجہد میں رات دن ایک کئے ہوئے ہیں اس میں شیطانی قوتوں کے عمل دخل کا ذکر ضرور شامل ہوگا۔

دراصل ———— اس گفتگو اور بحث وتمحیص میں فریق دو نہیں بلکہ حقیقت میں تین ہیں۔ انسان غلط فہمی میں تیسرے فریق کو محسوس نہیں کرتا اور نہ گفتگو میں لاتا ہے اور اکثر اوقات تسلیم بھی نہیں کرتا کہ تیسرا فریق بھی شامل بحث ہے۔

یہ ———— تیسرا فریق ———— ابلیس اور شیطان یا ابلیسی اور شیطانی قوتیں ہیں۔

اوپر درج ذاتی سطح کی مثال میں جب انسان سے غلطی ہو جاتی ہے اور ضمیر یا MORAL LAW کے خلاف کام ہو جاتا ہے تو اس سے آگہی، شعوری واپسی ———— توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی معافی بڑا سادہ معاملہ ہے اور مفرد قسم کا عمل ہے۔

مگر ایسی غلطیوں کا بار بار مرتکب فرد جلد ہی اپنے قریب ایک ابلیسی قوت کو پاتا ہے جو اسے عقل کے استعمال اور عقلی دلائل کے ذریعے غلط کاموں کو حقیقت بنا کر پیش کرتی ہے اور برائی کو مزین کر کے پیش کرتی ہے اور انسان آہستہ آہستہ اپنی غلطیوں کا اپنے اندر ہی اندر عقلی دلائل سے بھرپور دفاع کرنا شروع کر دیتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سے فلسفیانہ بحثیں ———— مختلف قسم کے بے راہ روی کے نظریات اور آسمانی ہدایت کے بالکل الٹی سمت میں دلائل کا انبار لگا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے معاشرے کے کچھ بظاہر شرفاء اور ELITE لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور شیطان کے ''ایجنٹ'' کے طور پر کام شروع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح اجتماعی سطح پر آج کی مغربی (یورپی وامریکی) تہذیب تجرباتی علم کے اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ہے جس کا تیسری دنیا کے عوام تصور بھی نہیں کر سکتے ـــــــــ مگر در حقیقت بات وہی ہے کہ صرف تجرباتی علوم اور آسمانی ہدایت کے درمیان گفتگو اور مکالمہ DIALOUGE ہوتا تو معاملہ کو سلجھانا اور کسی حتمی نتیجہ تک پہنچنا آسان تھا ـــــــــ مگر یہ اس کائنات کی بناوٹ میں آزمائش اور امتحان کا عنصر شامل ہے جس کا مظہر خیر کے ساتھ ساتھ ''شر'' کی قوتوں کی موجودگی لازمی ہے۔

آج کی مغربی تہذیب کہنے کو مذہب سے بحث نہیں کرتی اور سائنس مذہب کو DISCUSS نہیں کرتی کہ وہ انسان کا ذاتی معاملہ (PERSONEL AFFAIR) ہے۔ لیکن یہ دعویٰ STATEMENT اتنا سادہ نہیں ہے۔ مذہب سے علیحدگی کے اس دعوے میں دراصل ابلیس DEVIL یا LUCIFER شامل ہے اور ابلیس یعنی شیطان کے سارے ایجنٹ اس کی پشت پناہی پر کھڑے ہیں۔

لہٰذا ـــــــــ آج کی مغربی تہذیب صرف مذہب سے آزاد یا آسمانی ہدایت سے ''بے غرض'' نہیں ہے بلکہ اس دعوے سے وہ اپنے آپ کو ابلیسی اور شیطانی قوتوں کے چنگل (GRIP) اور شکنجے میں ہونے کا اعتراف کر رہی ہے جس کا اس کو پورا شعور بھی نہیں ہے۔ اس ابلیسی قوت اور شیطانی قوت کا غیر مرئی ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ لہٰذا اس ابلیسی قوت کا جو مظہر اس دنیا میں ہمارے سامنے ہے اور انسانوں میں ACTIVE ہے وہ قرآن مجید کے نزدیک ویسے تو ہر قوم اور ہر گروہ میں سے شریر اور بد طینت لوگ ہیں۔ مگر گزشتہ دو ہزار سال کی تاریخ میں بطور مثال قوم یہود یا ZOINISTS ہیں یا جس کا نام صہونیت ہے۔ وہ طبقہ اس منحوس کام میں مگن ہے اور مغربی تہذیب اور فکر کے سارے نظام کو اپنے مکروہ عزائم کے لئے استعمال EXPLOIT کر رہا ہے۔

لہٰذا ـــــــــ مغربی علوم کی موجودہ ترقی کے ساتھ مذہب اور آسمانی ہدایت سے جدائی اور ابلیسی و شیطانی قوتوں کی شرکت سے آج کی عالمی تہذیب معصوم اور VIRGIN نہیں رہی کہ جس کی غلطیوں کو CHILDLIKE یا CHILDISH سمجھ کر نظر انداز

کر دیا جائے بلکہ ابلیسی قوتوں نے اس مغربی تہذیب کو اپنے مکروہ مقاصد کیلئے استعمال کر کے نہ صرف ناپاک کر دیا ہے بلکہ اباحیت پرستی، کھانے پینے کی آزادی اور حیوانی طرز کی بے حیائی نے غلیظ اور متعفن بھی بنا دیا ہے۔

علامہ اقبال نے آج سے ایک صدی قبل مغربی تہذیب کا مشاہدہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ

ع فرنگ کی جاں پنجۂ یہود میں ہے

ے بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہے فرنگی مدنیت کی فتوحات

اور اپنے احساسات کے اظہار کے لئے 1936ء میں ایک نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ لکھی تھی جس کا ایک ایک لفظ مغربی تہذیب اور ابلیسی قوتوں کے گٹھ جوڑ اور اتحادِ عمل کا آئینہ دار ہے۔ آج بھی اس کا مطالعہ دل و دماغ کے کئی دریچے (WINDOWS) کھولنے کا کام دے سکتا ہے۔ مطالعہ شرط ہے۔

آسمانی ہدایت اور عقل انسانی کی کشاکش کی بنیادی وجہ

آسمانی ہدایت اور عقل انسانی یا نقل اور عقل کی کشاکش کی اہل علم کے نزدیک بنیادی اور سب سے اہم وجہ ایک ہی ہے جس کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں آزمائشی طور پر بھیجا ہے اور خیر و شر کی قوتیں خارج میں بھی موجود ہیں اور انسان کے باطن میں بھی موجود ہیں۔ اگر چہ یہ بات از خود واضح ہے کہ خیر کی طرف رجحان کا فیصلہ ہو یا شر کی طرف میلان کا مسئلہ دونوں صورتوں میں بنیادی اہمیت انسان کے داخلی اور باطنی عوامل ہی کی ہوتی ہے۔

داخلی عوامل میں نفس انسانی بذات خود بہت اہم عامل ہے۔ انسانی نفس اور نفسیات پر جو کچھ گزشتہ دو صدیوں میں مغرب میں لکھا گیا ہے وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ کہ جو قرآن مجید نے فرمایا!

وَمَا اُبَرِّئُ نَفۡسِی اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی
(53-12)

''اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس (امارہ انسان کو)
برائی ہی سکھا تا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے''

چنانچہ نفس انسانی اگر ایک مفروضہ کیفیت میں ہو تو وہ برائی کی طرف انسان کو کھینچتا ہے اور انسان اس کے زیر اثر داخلی طور پر متاثر ہو کر اور بعض خارجی عوامل کا سہارا لے کر برائی پر آمادہ ہو جاتا ہے بقول مولانا روم رحمۃ اللہ

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست
لیک اوراعون ایں راعون نیست

ترجمہ: میرا نفس بھی (سرکشی میں اور اعضائے جسمانی سے اپنی اطاعت کرانے میں) فرعون سے کم نہیں ہے فرق یہ ہے کہ اس (فرعون) کے پاس دنیاوی جاہ وجلال اور وسائل تھے اس نے زبان سے بھی خدائی کا دعویٰ کر دیا ———— سوچ میری میں بھی وہی ہے مگر وسائل اور اعوان نہ ہونے کی وجہ سے زبان خاموش ہے۔

لہٰذا انسان بے راہ روی اور انانیت میں پڑ کر بھی من مانی کرتا ہے اور اپنے اوپر کسی قسم کی خارجی بندشیں، ضابطے اور اوامر ونواہی برداشت نہیں کرتا اور اس کے اندر کے نفسانی داعیات بھی اس کو سرتابی اور سرکشی کا مشورہ دیتے ہیں۔

اور بہت زیادہ نیکی کے جذبات ہوں اور آدمی اپنی نگاہوں اور دوسروں کی نگاہوں میں بھی نیک مشہور ہو جائے اور بزعم خویش کچھ روحانی درجات بھی حاصل کر لے تو بھی تاریخ گواہ کہ انسان ''اناالحق'' کا نعرہ لگا دیتا ہے اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں نتیجہ یہ ہے کہ اناالحق کہنے والا ———— اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اب بلا چوں چرا پیروی نہیں کر سکتا اور بے عملی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ طبقہ صوفیاء میں ایک خاص حد کے بعد بے عملی کا یہی حملہ ہوتا ہے اور انسان اس کی مختلف تاویلات کرنے لگتا ہے۔

گویا فرعون دنیاوی جاہ وجلال کرّ وفر، وسائل، حکومت، تخت، عمائدین سلطنت کے زعم میں خدائی کا دعویٰ کرے یا نیکی کے زعم میں کوئی دوسرا ''انا الحق'' کہہ ڈالے ــــــــــــــ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی غیر مشروط اطاعت کے دائرے سے نکل گیا۔

اس طرز عمل کی وجہ وہی انسان کے اندر نفس میں ایسے احساسات ہیں کہ وہ اپنی آزادی اور ''آزادروی'' پر کوئی قدغن اور CHECKS & BALANCES برداشت نہیں کرسکتا۔ انسان کی اس کمزوری کا علاج صحیح تربیت کے ساتھ مناسب ماحول بھی ہے۔ جس میں اس کے اندرونی اور خارجی داعیات کا صحیح صحیح مقام اور محل کا تعین کر کے اس کی سوچ وفکر کو راہ راست پر متوازن انداز میں آگے بڑھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ جس کے اقرار اور تصدیق کا نام ایمان اور تربیت کا نام عمل صالح ہے تاہم یہ ساری تربیت چونکہ باطن کے وسیع میدان میں ہے لہٰذا اس میں کیفیت اور کمیت اور اس میں کوتاہی کا صحیح صحیح تعیّن اور تشخص ایک باریک اور نازک مسئلہ ہے۔ جس میں ذراسی غفلت انسان کو کہیں سے کہیں پہنچاسکتی ہے اور عزازیل کو شیطان لعین بنا سکتی ہے۔

اس تربیت میں کمی کی وجہ سے اور صحیح سوچ اور فکر نہ ہونے کے نتیجے میں (یا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے) انسان شیطان اور ابلیسی قوتوں اور اس کے ایجنٹوں کے لئے چراہ گاہ بن جاتا ہے اور اس وسیع دنیا میں جہاں نفسانی خواہشات کی تکمیل کا بے شمار سامان قدم قدم پر میسر ہے انسان کا شر اور بدی کی طرف لڑھک جانا کچھ بعید نہیں رہتا۔

اس انا پرستی اور سرتابی وسرکشی کا حملہ انسان پر جب ہو جائے تو اس کی کئی مظاہر سامنے آجاتے ہیں اسلام کے دائرے سے باہر کا انسان اسلام اور شریعت کی پابندیاں برداشت کرنے کو اپنے لئے ''قید'' سمجھتا ہے اور عقل کے سہارے ہی ساری زندگی کے تمام گوشوں میں کامیابی تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے حالانکہ یہ بات طے ہے کہ مجرّد عقل انسان کو کسی منزل تک نہیں پہنچا سکتی بقول علامہ اقبال!

ؔ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

اور سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے انا پرستی اور اباحیت پرستی کے مریض افراد (جن کے اندر کا انسان یا ضمیر یا MORAL LAW کا احساس ختم ہو چکا ہو) کا یہ قول نقل کیا ہے (جو کہ آج کے بے عمل مسلمان اور مغرب تہذیب کے دلدادہ ہر انسان (مرد و زن) کے دل کی آواز ہے)

وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ (36-15)

''اور رحمٰن نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے اب اس سے کام لو اور جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پیو، جو چاہو پہنو جیسا اور جتنا چاہو لباس مختصر کر لو جو چاہو دیکھو اور جو چاہو سنو ———— بس عقل ہی کا فیصلہ آخری فیصلہ۔ اللہ تعالیٰ کو ''کوئی وحی'' اور آسمانی ہدایت اتارنے کی کیا ضرورت ہے اور نہ اس نے کوئی ہدایت اتاری ہے۔

گویا ''وحی'' اور آسمانی ہدایت کی ضرورت سے بھی انکار ———— یہ مرحلہ انسان کے اندر ضمیر کے کمزور ہونے اور برائی کے میلانات اور ماحول کے اثرات کا نتیجہ ہے اس شخص کے لئے جو دائرہ اسلام سے باہر ہے۔

اسی طرح کا انا پرستی اور آزادی کے نام پر اباحیت پرستی (LIBERALISM) کا حملہ انسان پر اسلام کے دائرے کے اندر رہتے بھی ہوسکتا ہے اور اس کے کئی رنگ (SHADES) ہیں۔

☆ سب سے نچلا مرحلہ اور بظاہر معصوم سا مرحلہ انسان کا ایمان کے حقائق کے اعتراف کے باوجود ایمان کے تقاضوں (سورۃ حدید، سورۃ صف، سورۃ جمعہ، سورۃ تغابن، سورۃ منافقون) سے گریز ہے اور بے عملی ہے بے عملی تو ایک علامت یا SYMPTOM ہے انسان کے باطنی کشاکش کے مراحل میں عقل کے زور پکڑنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی غیر مشروط اطاعت سے سرتابی کا۔ یہ مرحلہ ویسے تو ہر انسان پر آتا ہے اور وقفے وقفے سے آتا ہے اگر بالکل وقتی اور SPONTANIOUS ہو تو قابل درگزر ہے اور اگلے درجے میں ہو تو توبہ اور استغفار سے گلوخلاصی ہوسکتی

ہے تاہم اگر انسان کا طرزِ عمل REGULARLY IRREGULAR ہو جائے یا بے عملی کے حملے طویل اور دیرپا ہو جائیں تو تشویش کی بات ہے۔

☆ دوسرا مرحلہ انسان کا ایمانی حقائق کا اقرار کرتے ہوئے اور مسلمان ہوتے ہوئے کبائر میں ملوث ہو جانا ہے اور منکرات میں پڑ جانا ہے اور ان کو اختیار کر لیتا ہے جیسے سود، رشوت، جھوٹ، کاروباری حرام کام، بے حیائی وغیرہ وغیرہ۔

اس مرحلہ میں بھی ایمان کی تجدید ———— اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان قرآن، وحی، پیغمبروں علیہم السلام پر ایمان (اور ان کا اتباع) کا بار بار تذکرہ اور یاددہانی مفید ہو سکتی ہے اور کبائر اور برائیوں کا ترک لازم ہے اور توبہ کی قبولیت کی شرط۔

☆ اسی بیماری کا اگلہ درجہ بڑا خطرناک ہے اور وہ ضروری نہیں کہ پہلے دو مرحلوں سے گزر کر ہی آئے انسان پر لاعلمی اور خلوص کی کمی کے باعث یا ایمان کے صحیح دل نشین نہ ہونے کے باعث پہلا حملہ بھی ہو سکتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے!

قرآن اللہ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ احکام دیتا ہے مگر اللہ انسان کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا انسان کو نماز پڑھ کر نہیں دکھا سکتا، روزہ رکھ کر نہیں دکھا سکتا۔ اس کے لئے فرشتہ بھی یہ کام کرے تو حجت نہیں ہو سکتی اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کا صحیح صحیح نقشہ جو انسانی زندگی میں نمونہ بن سکے ایک انسان کا عمل ہی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجے۔ ان کو نمونہ بنایا اور ان کے طرزِ عمل کو اہل ایمان کے لئے لازمی قرار دیا، قرآن اور اس کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کا طرزِ عمل یعنی سنت، ایمان کا حصہ ہے ———— قرآن بھی محفوظ اور سنت بھی محفوظ ———— دونوں کی حفاظت کے ذرائع ایک ہی ہیں۔

تاہم قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے لہٰذا اس کی ہر پہلو حفاظت صد فی صد یقینی ہے مگر سنت رسول ﷺ کی اصولی حفاظت پر ایمان ہے کہ صد فی صد درست ہے مگر اس میں کسی غلط بات کا اضافی شامل ہو جاتا جو سنت کے نام سے ملتی ہو بعید از قیاس نہیں ہے یا کسی

حدیث کے متن میں الفاظ راوی سے بدل جائیں یا اضافہ ہو جائے یہ بھی ممکن ہے مگر اس کی چھان پھٹک اور تاویل قرآن و حدیث دونوں کو ملا کر کرنا ہو گی قرآن و سنت دونوں مل کر ہی ہدایت کا سرچشمہ ہیں صرف قرآن مجید احکام کا مجموعہ تو ہے نمونہ نہیں بن سکتا۔

لہٰذا ـــــــــ اباحیت پرستی اور آزادی کی روش کا یہ حملہ ـــــــــ

انکار سنت کے نام سے آتا ہے کہ قرآن مجید ـــــــــ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کو مانیں گے۔ سنت رسول ﷺ کو نہیں مانیں گے۔ یا سنت رسول ﷺ اپنے دور کے لئے حتمی تھی اب نہیں ہے یا ـــــــــ وہ حدیث یا سنت جو قرآن کے خلاف ہو گی نہیں مانیں گے۔ یہ سارے پہلو ایک ہی کھوٹے سکے کے کئی رُخ ہیں۔ اصل مرض وہی ـــــــــ انسان کا عمل میں آزاد روش اور من مانی ہے اس لئے کہ سنت ہی قرآن کے مفاہیم کو معین کرتی ہے اور انسان کے لئے نمونہ بناتی ہے صرف قرآن مجید سے اللہ کی منشا کو اگر پیغمبر ﷺ معین نہیں کر سکا (جس سنت کا آپ انکار کرتے ہیں وہ پیغمبر ﷺ کا معین کردہ قرآن مجید کا مفہوم ہے) وہ مفہوم انکار سنت کرنے والا شخص بعد زمانی و مکانی اور شیطان کے زیر اثر ہونے کے واضح امکانات کے ساتھ کیسے معین کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

انکار سنت ﷺ کا یہ مرحلہ اس بیماری کا خطرناک اور شدید حملہ ہے اور انانیت پرستی، اباحیت پرستی، آزاد خیالی یا روشن خیالی کے جواز اور اس کو جگہ دینے کے مترادف ہے ـــــــــ کہ انکار سنت ﷺ کے بعد اب قرآن کے مفہوم کا تعین حالات حاضرہ ـــــــــ سائنسی ایجادات، زمانے کی ترقی ـــــــــ ماحول کے داعیات و عوامل اور لوگوں کے رنگ ڈھنگ کی روشنی میں ہو گا اور اس کے نتیجے میں صلوٰۃ، حج، طواف، سعی، زکوٰۃ، صوم، پاک دامنی، موسیقی، ناچ، گانا، عفت عصمت، نکاح، طلاق، عدت، بدکاری (زنا)، پردہ، دوپٹہ، وراثت غرض ہر چیز کا نیا اور جدید مفہوم ہو گا اور ـــــــــ درحقیقت یہ دروازہ کھل گیا تو اس کا اختیار بھی صرف انکار سنت کرنے والے اشخاص اور رہنماؤں کے ہاتھ میں نہیں رہے گا بلکہ اس کا LEVER کسی اور کے پاس اور کہیں دور ہو گا۔

انکار سنت ﷺ کرنے والے زعماء اور عمائدین خریدے جائیں گے اور مرحلہ وار ان کی

برین واشنگ ہو گی یورپ، برطانیہ، امریکہ کے تربیتی/مطالعاتی دورے ہوں گے۔ مغربی مفکرین خواتین وحضرات سے کھلے بندوں ملاقاتیں ہوں گی اور یوں اسلام کی منشا اور پیغمبر ﷺ کی تشریحات کے خلاف ہر چیز کچھ عرصے میں تدریجاً عین اسلام قرار پائے گی۔

پھر مزید اجتہاد پارلیمنٹ کرے گی اور اس کے آزاد منش ممبران خرید کر جو چاہو فیصلہ ہو جائیگا اور وہ چیز حلال اور جائز ہو جائے گی اور اس ساری EXCERCISE کے پیچھے ابلیسی اور شیطانی قوتیں کارفرما ہوں گی جس کے نمائندہ یہود ہیں۔ انکارسنت کا یہ حملہ بڑا شدید اور روحانی و اخلاقی اعتبار سے بڑا جان لیوا ہے۔ اگرچہ بظاہر بڑا معصوم سا انداز اور استدلال ہوتا ہے جو نفسانی خواہشات کی آزادی کی جھلک کی وجہ سے ہر انسان کو متاثر بھی کرتا ہے اور دلکش بھی لگتا ہے۔

انکارسنت دراصل اتباع رسول ﷺ اور ان کی کامل اطاعت سے سرتابی اور سرکشی کا نام ہے۔ اس کا ذکر آل عمران میں غزوہ احد کے تذکرے میں ہے اور سورۃ النساء میں ہے۔

رسول ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ فتنہ اٹھا اور اس کا نام تھا نفاق ________ اور قرآن مجید میں اسے ایک بیماری یا روگ سے تعبیر کیا گیا ہے فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ (2-10) ان کے دلوں (سینوں) میں ایک روگ اور بیماری ہے۔ سورۃ نساء میں اس روگ کی دو باتیں نمایاں ہیں پہلی یہ کہ آخر حضرت محمد ﷺ بھی انسان ہیں ان کی ہر بات ماننا کیوں ضروری ہے۔ کامل اور غیر مشروط اطاعت ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ دوسری یہ کہ جہاد سے گھبرانا اور اس میں آگے بڑھ کر حصہ نہ لینا جان اور مال کا عزیز ہونا اس کردار کے حامل حضرات کو قرآن مجید میں منافقین کا نام دیا گیا ہے اگرچہ اس فتنہ کے کئی SHADES تھے اور سب سے نچلا درجہ ضعف ایمان ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور توبہ سے معافی بھی ہے تاہم اس مرض کے اگلے مراحل درجہ بدرجہ ناقابل علاج ہو جاتے ہیں۔

سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں اور سورۃ مائدہ وغیرہ میں ان منافقین کے یہود کے زیراثر ہونے کے واضح اشارے ہیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ دور نبوی علی صاحبہا میں بھی یہ فتنہ اصلاً ابلیسی اور شیطانی قوتوں کے زیراثر پیدا ہوا اور پلا بڑھا اور مسلمانوں کے لئے ناسور ثابت ہوا اس

فتنہ انکارسنت ﷺ کا دوسرا بڑا دور دوسری صدی ہجری میں عجمی نظریات اور بالخصوص یونانی عقلاء و فلاسفہ کے نظریات کے درآنے اور یہودی ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں اور اندرونی سازشوں کے زیر اثر ظاہر ہوا اس دور میں اس فتنہ میں پڑ جانے والے عمل کا نام اعتزال پڑ گیا کہ وہ راہ حق اور صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں لہٰذا ایسے لوگ معتزلہ کہلائے ہیں۔ فتنہ انکارسنت کا آخری حملہ ڈیڑھ صدی پہلے 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد یورپی استعمار کے غلبے کے وقت ہوا ہے۔ جب مغربی اقوام سائنس، علم فلسفہ، مادی برتری میں بہت آگے تھیں اور امت مسلمہ غلام بنالی گئی تھی۔ یورپی استعمار کے پیچھے وہی ابلیسی اور شیطانی طاقتیں تھیں۔ جنہوں نے ان حالات میں مسلمانوں میں ایک نبی، کھڑا کر دیا۔ اور کئی دوسرے فتنوں کی طرح انکارسنت ﷺ کا فتنہ بھی کھڑا کیا ہے اور اس کو ہوا دی ہے اور اس فتنہ کے سارے مزعومہ دعوے ایسے ہیں کہ جس سے مغربی تہذیب اور اس کے سرپرست نہ صرف خوش ہیں بلکہ ان کے منصوبوں میں بالکل FIT نظر آتے ہیں۔ مثلاً گزشتہ چند سالوں سے ''روشن خیالی'' کے نام سے جو کچھ مغرب چاہ رہا ہے وہی TONE اور آواز ''انکار سنت'' کرنے والے حضرات کی ہے جو بات مغرب PROMOTE کرنا چاہتا ہے وہی آواز مسلمانوں کے اندر سے ایسے حضرات لگانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کو بظاہر قرآن کی تفسیر میں لپیٹ کر پیش کر دیتے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ نفاق عقیدے کا بھی ہے اور عمل کا بھی جیسا کہ احادیث صحیحہ سے واضح ہے لہٰذا انسان نماز پڑھتے ہوئے، روزے رکھتے ہوئے بھی اگر عمل میں جھوٹ، بدعہدی، بددیانتی، اور بدزبانی کا عادی ہے تو وہ نفاق میں ملوث ہوگیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی بے عملی کو غلطی اور کوتاہی سمجھ کر قبول کرے گا اور توبہ پر آمادہ نظر آئے گا معاملہ ہلکا اور فطری کمزوری اور ضعف ایمان تک رہے گا اور جب انسان اپنی بدعملی کے لئے دلائل تلاش کرنے لگ جائے اور اس کو ہی صحیح ثابت کرنے لگ جائے تو یہاں سے نفاق اور ''انکارسنت'' کی حدود شروع ہوجاتی ہے۔ اعاذنا الله من ذالك

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست — اقبالؔ

؎ خلاف پیغمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید سعدیؔ

فریضۂ اقامتِ دین
رکاوٹیں اور ان کا حل

محمد رشید عمر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ O (الشوریٰ۔13)

”راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح علیہ السلام کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں۔ بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے۔ اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف سے اس کو جو رجوع لائے“

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی اللہ کے نزدیک دین، دین اسلام ہے یعنی ایسا نظامِ زندگی جس میں زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کی دی ہوئی ہدایت کو مان کر اس کے دیئے ہوئے قانونِ سزا اور جزا کو لاگو کر کے زندگی گزاری جائے، اگر یہ نظام قائم ہے تو اسے قائم رکھا

جائے اور قائم نہیں تو قائم کیا جائے اور انسان اس کے خلیفہ بن کر اس کا نفاذ کریں، اس نظام میں مرکزی حیثیت اللہ اور رسول ﷺ کو حاصل ہوتی ہے انسان کی حیثیت بطور ان کے نائب کی ہوتی ہے، اس کی روح خلوص، للّٰہیت اور انسانی ہمدردی پر مبنی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں عدل وقسط کا چلن عام ہوتا ہے یہی صراط مستقیم ہے۔ شیطان لعین اس نظام کا کھلا دشمن ہے وہ نہیں چاہتا کہ انسان صراط مستقیم پر چل کر دوبارہ جنت عدن میں پہنچ جائے، چنانچہ اس کی کوشش رہی ہے کہ انسانی فکر وعمل پر ایسی کاری ضرب لگائے کہ پہلے قدم پر ہی انسان کج روی کا شکار ہو جائے اس کے بعد جتنے بگاڑ پیدا ہوتے ہیں وہ اسی بنیادی کج روی کے مختلف شاخسانے ہوتے ہیں ان شاخسانوں کو شیطان تلبیسِ حق وباطل اور کتمانِ حق کے لئے ایسے استعمال کرتا ہے کہ بڑے بڑے دماغ اصلاح کے نام پر بھول بھلیوں کا شکار ہو کر زندگی گزار دیتے ہیں اور سرا ہاتھ نہیں آتا مسائل کی ڈور سلجھنے کی بجائے اور الجھتی جاتی ہے۔ بجز بڑے بڑے فلسفیانہ نظریات اور موجدین کے ناموں کے انسانیت کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو اسی مقصد کے لئے مبعوث فرمایا کہ وہ انسانی فکر وعمل کی بنیادی کج روی کو سیدھا کر کے اس کو پھر سے صراط مستقیم کی پٹری پر چڑھا دئے چنانچہ سورۃ الشوریٰ کی متذکرہ آیات مبارکہ میں واشگاف انداز میں دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا مقصد عدل وقسط قرار دیا ہے۔ اس مقام پر حضرت محمد ﷺ کے علاوہ چار جلیل القدر انبیاء اور رسل علیہم السلام کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو بھی اسی کام کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر ہم ان جلیل القدر نبیوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو درج ذیل باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

1۔ کج روی کا بنیادی سبب

2۔ صراط مستقیم سے ہٹانے والے پُر زور عوامل

3۔ ان کا علاج

شیطان نے سب سے بڑا وار یہ کیا کہ وہ انسان کو اللہ کے ساتھ یکسو ہو کر رہنے کی بجائے شرک میں مبتلا کر دے اور ایمان باللہ کی بنیادوں کو ڈھا دئے اگر یہ بنیادی پتھر اکھڑ جائے تو پھر باقی کی کوئی فکر نہیں۔ چنانچہ قوم نوح کو اسی مرض میں مبتلا کیا گیا وہ اس مرض میں اتنے شدید مبتلا ہوئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی 950 سالہ محنت کے نتیجے میں سوائے ایک کشتی کی سواریوں کی

تعداد سے زیادہ کی اصلاح نہ ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ نے باقی سب کو غرق کر کے ان کشتی سواروں کی اولاد سے دنیا کو نئے سرے سے آباد فرمایا جنہوں نے دین اللہ کے مطابق زندگی گزاری۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے والد کو اپنی پیروی کی دعوت دی، قوم اور بادشاہ کے سامنے اعلیٰ عقلی سطح پر ایمان کی دعوت رکھی تو سب دشمن ہو گئے۔ والد کی بزرگی نے راستہ روکنے کی کوشش کی، قوم اور اقتدارِ اعلیٰ نے انتہائی سزا دینے کی کوشش کی، بڑھاپے میں اولاد کی محبت سے آزمائے گئے لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی، طاغوت جس شکل میں بھی آپ کے سامنے آیا آپ نے اس کو پہچانا اور اس کا مقابلہ کیا۔ اس اعتبار سے آپ کی زندگی مسلمانوں کے لئے بہترین اسوہ کے طور پر پیش کی گئی خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ o قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ o (الانعام۔163-161)

''آپ کہہ دیجیے: مجھ کو میرے رب نے ملت ابراہیم کی سیدھی راہ سمجھا دی ہے (ابراہیم) جو یکسو تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہ تھے۔ آپ کہہ دیجیے: میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، مجھ کو یہی حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں''

راہ مستقیم سے ہٹانے کے لئے کن کن محاذوں سے شیطان حملہ آور ہوسکتا ہے؟ اس کے لئے کس طرح کی ثابت قدمی مطلوب ہے، حیات ابراہیم علیہ السلام اس کا کامل نمونہ ہیں۔ لیکن حضرات موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر سورۃ الشوریٰ کی آیت مبارکہ میں بطور خاص قابل توجہ ہے! دیکھیے راہ مستقیم پر چلنے والے لوگوں کو کج روی پر مجبور کرنے میں کون بڑا رول ادا کرتا ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت کا طاغوتی نظام ہوتا ہے چنانچہ کوئی طاغوت راہ حق پر چلنے والوں کی دشمنی میں کہاں تک جا سکتا ہے اور اس کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے اس کے لئے حیات موسیٰ علیہ السلام بطور خاص سامنے لایا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے فرعون کا مقابلہ کیا۔ آج

''ہرفرعونے راموسیٰ'' وقت کے جابر حکمرانوں کا مقابلہ کرنے والوں کے لئے بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔

دوسرا بڑا سبب جو لوگوں کو راہِ حق کی پیروی میں رکاوٹ بنتا ہے وہ علماءِ سو ہیں جو ظالم حکمرانوں سے گٹھ جوڑ کر کے ان کے کئے گئے ظالمانہ اور غیر منصفانہ اقدامات کو سند جواز عطا کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مساعی جمیلہ پر نظر دوڑائیں تو یہ چیز واضح نظر آتی ہے کہ انہوں نے علمائے یہود کے اس کردار کو نہ صرف بے نقاب کیا بلکہ اس پر بے رحم تنقید کی، تا کہ ان کی اصلاح ہو سکے ملاحظہ فرمایئے ''لوقا باب 20 آیات 46۔47''

''فقیہوں سے خبردار رہنا جو لمبے لمبے جامے پہن کر پھرنے کا شوق رکھتے ہیں اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی پسند کرتے ہیں، وہ بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں' انہیں زیادہ سزا ہوگی'' انہوں نے فقیہوں اور دنیا دار علماء کو چونا لپی قبروں سے تشبیہ دی، بڑے جرائم سے چشم پوشی اور چھوٹی خطاؤں پر مؤاخذے کو ان الفاظ سے واضح فرمایا کہ: تم مچھر چھانتے ہو اور پورے اونٹ نگل جاتے ہو۔

اصحاب اقتدار کا ظلم اور علماء سو کی تنگ نظری، تفرقہ بازی اور فتویٰ فروشی' گھٹن کا ماحول پیدا کر دیتی ہے کہ عام آدمی اس ماحول سے فرار چاہنے لگتا ہے۔ نشاۃ اولیٰ میں جب اسلام ہر طرف پھیل رہا تھا تو اس کو عیسائی دنیا میں قبول عام کے اسباب میں عیسائی معاشرے کی یہی گھٹن تھی جس سے چھٹکارے کے لئے لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ ہونا شروع ہو گئے۔ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی کتاب ''دعوت اسلام'' میں عیسائی دنیا کی اس حالت کا تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یہ نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''اسرار کا بد دیانت طبقہ، جابر پادریوں کی بے شمار جماعت، غیر فطری قوانین کی سختی، ایک مکروہ حکومت کا استحصال بالجبر اور اس کے علاوہ حکومت کی اجارہ داریاں، اس کا مالی نظام ٹیکس اور محصول جمع کرنے والوں کا لشکر' غرض کہ ان سب چیزوں نے مل کر مظلوم رعایا کے حقوق غصب کر لئے تھے ـــــــــ ان کے لئے اصلاح حال یا تلافی مافات کی کوئی امید باقی نہیں

چھوڑی تھی‘‘(دعوت اسلام صفحہ 154)

’’قبرص کے تمام باشندے وینس والوں کے غلام ہیں کیونکہ وہ اپنی آمدن کا تہائی حصہ حکومت کو ادا کرنے پر مجبور ہیں خواہ وہ آمدن ان کی اراضی سے حاصل ہو یا غلہ، شراب نیل، مال مویشی یا کسی اور شکل میں ہو۔اس کے علاوہ ان میں سے ہر شخص مجبور ہے کہ ہفتہ میں دو دن تک سرکاری بیگار میں جہاں اسے مقرر کیا جائے کام کرے اگر کوئی شخص اپنے ذاتی کام یا بیماری کی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو تو اسے اپنی غیر حاضری کے ایام کے حساب سے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے اور اس پر سالانہ ٹیکس وغیرہ متزاد ہیں۔ان ٹیکسوں کی وجہ سے بیچارے غریب عوام اس قدر مظلوم اور پریشان رہتے ہیں کہ ان کو اتنا آذوقہ بھی میسر نہیں جس سے وہ جسم وجان کا باہمی رشتہ قائم رکھ سکیں‘‘(دعوت اسلام صفحہ 154)

اس کے مقابلے میں ترکوں کے زیر تسلط علاقوں کا حال بیان کرتا ہے:

> ’’یہ تعجب کی بات ہے کہ ان وحشی لوگوں (ترکوں) کی نظامت میں ایسے بڑے اور گنجان شہر میں قتل وغارت کے واقعات سننے میں نہیں آتے اور کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوتی ہر شخص کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلطان روم (ترکی سلطان) اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ کو تمام دنیا کا دارامان کہتا ہے کیونکہ جس قدر آفت زدہ لوگ ہیں ان کو اس شہر میں پناہ ملتی ہے سب کے ساتھ یکساں طور پر انصاف کیا جاتا ہے خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ عیسائی ہو یا کافر(کافر سے مراد مسلمان ہیں)۔‘‘

مسلمانوں کے زوال کے بعد عالم عیسائیت نے سیکولرزم کے نام پر مذہب کو ایک طرف کر کے دنیا میں ترقی کے دروازے عوام کے لئے کھول دیئے ہیں حکومتی سطح پر انصاف اور عوامی فلاح و بہبود کا نظام رائج کر دیا گیا ہے اور معاشرتی زندگی سے مذہبی پابندیاں ہٹا کر مادر پدر آزادی دے دی ہے۔اس کے مقابلے میں عالم اسلام بالخصوص مسلمانِ پاکستان کا ماحول ماقبل اسلام کے بیمار عالم عیسائیت کا نقشہ پیش کر رہا ہے ظالم لٹیرے حکمران، غریبوں کے حقوق غصب کرنے والے جاگیردار اور سرمایہ دار اقتدار پر مسلط ہیں جن کی حق پرست علماء اور عوام کے ساتھ کھلی جنگ ہے ان کو بنیاد پرست کا نام دے کر مطعون کیا جاتا ہے دوسری طرف علمائے سوء نے عوام

کوفرقوں اور مسلکوں میں تقسیم کر کے مذہب بیزاری کو پروان چڑھایا ہوا ہے مساجد میں فاقہ، غربت اور تنگ دستی کے اسباب گنوانے کے لئے جن خرابیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے ان میں حکومتی مظالم اور جرائم کا محاسبہ شامل نہیں ہوتا۔ حکومتی مظالم اور ناانصافیوں کے شکار لوگ خودکشیاں کرنے پر مجبور ہوتے ہیں یا بہتر مستقبل کی تلاش میں دین ودنیا کی دولت لٹا کر غیر اسلامی ملکوں میں جہاں آسائشاتِ دنیا کے ساتھ مادر پدر آزادی ہے' بھاگ جانے یا پناہ حاصل کرنے کی فکر میں ہیں جب حالات اس قدر خراب ہو جائیں تو پھر انسان روئے زمین پر اپنی بقا کا جواز کھو دیتے ہیں وہ اس بات کے مستحق ہو جاتے ہیں کہ خالقِ کائنات دنیا کو ان کے وجود سے پاک کر دے لیکن اس نے مہلت اور ڈھیل کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔

وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ

''اگر مقررہ وعدہ تک کی بات جو تیرے رب کی طرف سے ہے نہ نکلی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا جاتا'' (الشوریٰ۔14)

حق و باطل کے معرکے کو وہ ذات پاک مدتِ معین۔ جو صرف اسی کو معلوم ہے۔ تک جاری رکھنا چاہتی ہے اور دیکھنا چاہتی ہے کہ کون ایمان کا حق ادا کرتا ہے، کون اس کی راہ میں جہاد اور صبر کی منزلیں طے کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماقبل اسلام حکومتی مظالم اور علمائے سو کے پیدا کردہ بگاڑ سے سسکتی دنیا کو اسلام کی شکل میں حیات تازہ کا سامان فراہم کیا گیا ہے اور اب اسلامی دنیا کے نااہل حکمرانوں اور ان کے معاون علمائے سو کی پیدا کردہ گھٹن کو یورپ کی مادر پدر آزادی کی شکل میں عافیت کا سانس ملتا نظر آرہا ہے لیکن یہ مادر پدر آزادی نفس انسانیت کی موت ہے۔ انسانیت کی اس مردہ لاش کو زندہ کرنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو معجزانہ صلاحیت کے ساتھ دوبارہ دنیا میں بھیجیں گے اور یہ مردہ لاش شاید ان کی صدائے قم باذن اللہ کے بغیر زندہ نہ ہوسکے لیکن مسلمانوں کے پاس تو بگاڑ کو ٹھیک کرنے کے لیے آب حیات یعنی قرآن مجید موجود ہے جس میں انبیاء اور رسل علیہم السلام کی زندگی اور ان کی محنت کو بطور نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے تاکہ ان کو سامنے رکھ کر اپنے لئے لائحہ عمل تیار کرسکیں۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب نے مذہب کو ایک طرف رکھ کر اپنے معاشرے کو مادر پدر

آزادی دی ہے دوسری طرف ٹیکنالوجی کے زور پر آسائشات دنیا کے حصول میں کامیاب ہیں اور ان کے استعمال کے لئے اپنے بنائے ہوئے معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام العمل پر عمل پیرا ہیں اس نظام العمل کو وہ نہ صرف مثالی اور اعلیٰ سمجھتے ہیں بلکہ اس کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کے لئے بھی اپنے تمام ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ دوسری طرف مسائل کا شکار دنیائے اسلام ہے ان کے لئے اپنا ماضی قصہ ٔ پارینہ بن چکا ہے، آنکھوں سے نظر آنے والے پُرتعیّش مغربی معاشرے اور بظاہر کامیابی سے چلنے والے نظام العمل کے پیچھے کارفرما نظریاتی اور فکری مواد نہ صرف دین سے دور اصحاب اقتدار یا اصحاب علم وقلم کو متأثر اور مرعوب کیا ہے بلکہ بہت سارے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے حامی اصحاب علم ودانش بھی ان کی لپیٹ میں ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام نے حکومت سازی کا کوئی معین طریقہ مؤکد نہیں کیا۔ اپنی بے عملی، بے ہمتی اور فکری وعملی جمود کی وجہ سے اور ہر محاذ پر باطل کے بے باک نمود نے ایسے تذبذب میں ڈال دیا ہے کہ آج ہم اس فرمان الٰہی کی مکمل تصویر بنے ہوئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ٥

”جو لوگ ان کے بعد (خدا کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے شک کی الجھن میں پھنسے ہوئے ہیں“ (الشوریٰ۔14)

اگر اسلام نے حکومت سازی اور اپنے معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام العمل کو نافذ کرنے کا کوئی طریقہ معین نہیں کیا تو کیا رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نما عرب پر اسلام کو ایسے ہی غالب کر دیا تھا؟ خلفائے راشدین کا مثالی دور ایسے ہی وجود میں آ گیا تھا؟ آج ہمیں پوری جرأت کے ساتھ اس بات کا اعتراف ہی نہیں اس کے ابلاغ کا بھی حق ادا کرنا چاہیے کہ حکومت سازی کا کوئی بہترین طریقہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا دیا ہوا ہے جو صرف رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے ذریعے معین کیا گیا بلکہ ان ہی حدود کے اندر مقید ہے جن حدود میں رہ کر انہوں کے اس فریضہ کو ادا کیا۔ کیمونزم کا حشر دنیا دیکھ چکی ہے، امیریلزم کا مزہ چکھ چکی ہے اب سیکولرزم کا مزہ چکھ رہی ہے۔ یہ سیکولرزم ہی ہے جس کے ہاتھوں انسانیت کی روح پر موت واقع ہو رہی ہے جس کا آغاز یورپ وامریکہ سے ہو چکا ہے۔ یہ سیکولرزم ہی ہے جس میں جمہوری دھوکے سے طاغوت اپنا

پنجہ زمین پر گاڑ رہا ہے اور اہل بصیرت کے لئے اس کا دھوکہ ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اسلام نے حکومت سازی کا کوئی طریقہ معین نہیں کیا بلکہ اسے بعد میں آنے والی تمدنی تبدیلیوں کے پیش نظر کھلا چھوڑ دیا گیا ہے تو کیا اب انسانیت کو موت کی نیند سلانے والے دانشوروں کے فلسفوں سے مدد لی جائے گی؟ نہیں اس کے لئے ذرا دقت نظر سے کام لینا ہوگا، مرعوب ہونے کی بجائے ابراھیمی نظر سے دیکھنا ہوگا۔ جہاں تک کوئی خیر مغرب میں دیکھی جا سکتی ہے وہ تو خود اسلام سے مستعار لی ہوئی ہے ان کی اپنی کہاں ہے۔ البتہ شور وغوغا اتنا ہے کہ حقیقت تک رسائی مشکل نظر آتی ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جس کی مثال قرآن مجید میں وقوع قیامت کے متعلق دی گئی ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُوْنَ۝ (النمل۔66)

''بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم تھک چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں''

آخرت کا واقعہ ہونے کی علمی گرفت کی عدم صلاحیت نے لوگوں کو شک میں مبتلا کر دیا ہے بلکہ بالکل اندھے ہوگئے ہیں ان کے نزدیک ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کی بات کا اکثر سامنا ہوتا ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ جی سود کا متبادل کیا ہے' سود کے بغیر کاروبار دنیا کیسے چل سکتا ہے؟ ظاہر ہے! دنیا جس حال میں ہے اس میں سود کا متبادل نظام چلانا تو ممکن نہیں ہے' سود کے خاتمے کے لئے تو پہلے سے موجود نظام کو بالکلیہ ختم کرنا ہوگا پھر اسلامی نظام معیشت لاگو ہوسکتا ہے بالکل اسی طرح کی بات ہے کہ کہا جائے کہ اسلام نے حکومت سازی کا کوئی طریق کار معین نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اسلام کو نافذ کیا، خلافت راشدہ میں خلیفہ کا جس طرح چناؤ کیا گیا' وہ طریقہ یا طریقے ہیں جن کے اندر حکومت سازی کے طریقے کو معین کر دیا گیا انہی کے نقش قدم پر چل کر اداروں کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے اور چلایا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے بنیادی انفراسٹرکچر تیار کرنے کی ضرورت ہے کوئی کام بنیادی ضرورتیں پوری کیے بغیر مکمل نہیں کیا جاسکتا وہ بنیادی کام ہے انسانوں کی کردار سازی اور اس کے لئے خالق کائنات کی ہدایت پر عمل۔ اس نے

حکم دیا ہے: اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً (اے ایمان والوں سود مت کھاؤ، بڑھا چڑھا کر) كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا (پاکیزہ کھاؤ اور صالح عمل کرو) وَالَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ (اور وہ لوگ جو بچتے ہیں کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے) لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤى (زنا کے قریب بھی مت جاؤ) اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ (جو ہم نے رزق دیا ہے اس سے خرچ کرو) اِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ يَغۡفِرُوۡنَ (وہ جو غصہ کی حالت میں درگزر کر جاتے ہیں) وغیرہٗ۔

قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر حق پرست جمعیت کے افراد کے اور بہت سے اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان صفات کا حامل معاشرہ فراہم ہو جائے تو ان لوگوں میں حکمرانی کا حق کسے ہو؟ کیسے طے کیا جائے؟ کوئی مشکل اور پیچیدہ معاملہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ہمارا معاشرہ جس میں الا ماشاء اللہ منافقت اور فریب کاری کو حکمرانی کا گُر، رشوت کو صلۂ خدمت، جھوٹ وعدہ خلافی ملاوٹ کو کاروباری ہوشیاری، سود کو منافع، فحاشی اور بے حیائی کو ثقافت اور کلچر کا نام دیا جا رہا ہو اور بدکردار لوگوں کو بطور ہیرو لوگوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو اس معاشرہ اور ماحول میں حکومت سازی کا کوئی طریق کار اسلام متعین نہیں کرتا، اس ماحول میں اسلامی قوانین کن پر لاگو کیے جا سکتے ہیں؟ اسلامی قوانین اور طرز حکومت اس معاشرہ کی ضرورت ہی نہیں ہے اس سب کو جب تک ختم نہیں کریں گے تب تک اسلامی حکومت سازی کا کام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آج اس ماحول کو حاصل کرنے کے لئے پیغمبرانہ ایمان وعزم کی ضرورت ہے، آخر وہ لوگ ہماری آنکھوں کے سامنے ہی ہیں جو طاغوتی طاقتوں کے گائیڈڈ میزائلوں، ڈیزی کٹر بموں اور اندھیرے میں دیکھنے والے آلات کو خاطر میں نہیں لا رہے وہ کس عزم راسخ کے ساتھ ان کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ آج ہمیں اسی عزمِ راسخ کی ضرورت ہے اس عزم راسخ کے ساتھ ایمان کے موضوعات کو اعلیٰ عقلی سطح پر آشفتہ سر لوگوں کی فلسفیانہ موشگافیوں سے مرعوب ہوئے بغیر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ سائنس خود خالق کائنات کی کس قدر محتاج ہے یہ سائنسی دماغوں پر واضح ہو چکی ہے شاید اب کوئی ڈارون انسانی دماغ کو پراگندہ نہ کر سکے۔ اب عدل کے نظام العمل کو دنیا کے سامنے پیش

کرنے کی ضرورت ہے تا کہ عالم اسلام میں پائی جانے والی تفریط اور مغرب میں پیدا شدہ افراط کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اس میں بھی پہلی ضرورت عالم اسلام کے اصحاب اقتدار اور ان کے حواری دانشوروں اور علمائے سو کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے ایک با کردار جمعیت مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے پھر یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ o (الشوریٰ۔13)

''اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے''

چاہے تو اقامت دین کے لئے خود کسی کو چن لے اور مناسب حالات اور مواقع پر اس سے یہ خدمت لے لے یا کسی کو اس راستے کی ہدایت دیدے اور وہ فرعون وقت کا مقابلہ کر کے اپنی منزل کو پالے۔ جو لوگ اس کام کو ناممکن سمجھتے ہیں انہیں یہ جان لینا چاہیے:

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الشوریٰ۔16)

''جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں جب لوگ اس کو مان چکے ان کا جھگڑا باطل ہے ان کے رب کے ہاں''

ہم کسی بات کا علمی احاطہ کر پائیں یا نہ کر پائیں، زمینی حقائق ہمیں موافق نظر آئیں یا غیر موافق ہدایت کا راستہ وہی ہے جو خالق کائنات نے بتا دیا ہے غور کیجیے سورۃ فتح کی آخری آیت پر

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا o

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع و سجود میں

(سرگرم) پاؤ گے ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات سے ہے یہی اوصاف ان کے تورات میں بھی مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی تمثیل یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی کہ اس نے (پہلے زمین سے) اپنی کونپل نکالی پھر اس کو قوی کیا پھر وہ موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور (اپنی سرسبزی پر) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یہ نشوونما صحابہ کو اس لئے دی) تاکہ کافروں کو ان سے جلائے' اللہ نے ان لوگوں سے (جو خلوص دل سے) ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل (بھی) کیے ہیں' مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے''

سورۃ نور میں اللہ نے وعدہ فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَايُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (النور۔55)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے جما کر رہے گا اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو امن میں بدل دے گا (بشرطیکہ) وہ ہماری عبادت کریں اور ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو شخص اس (وعدے کے ظہور) کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں''

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

قرآن شریف میں پوشیدہ حقائق

قرآن پاک میں جو الفاظ جتنی بار آئے ہیں، ان کی تعداد آگے درج ہیں۔

دنیا (زندگی کا ایک نام)	115	آخرت	115
ملائکہ (فرشتے)	88	شیطان	88
زندگی	145	موت	145
احسان	50	گمراہی	50
قوم (لوگ)	50	پیغمبر	50
ابلیس	11	ابلیس سے پناہ مانگو	11
مصیبت	75	شکر	75
صدقہ	73	اطمینان (تسلی)	73
گمراہ لوگ	17	مردہ لوگ	17
مسلمان	41	جہاد	41
سونا	8	پرآسائش زندگی	8
جادو	60	فتنہ	60

زکوٰۃ	32	برکت	32
عقل	49	نور(روشنی)	49
زبان	25	خطبہ	25
خواہش	8	خوف	8
تبلیغ	18	اشاعت	18
سختی	114	صبر	114
حضرت محمدﷺ	4	سیرت نبوی ﷺ	4
مرد	24	عورت	24

اب مندرجہ ذیل الفاظ سے متعلق آنکھیں کھول دینے والے قرآن پاک کے عددی حقائق پڑھیں:

نماز(اوقات)	5	ماہ	12
دن	365	سمندر	32
خشکی	13		

اگر سمندر اور خشکی کو جمع کریں تو جواب یہ آئے گا۔ 45=32+13 اب ریاضی کے درج ذیل حل دیکھئے: %سمندر= 32/45*100%=71.1111111

%خشکی= 13/45*100%=28.88888889

جدید سائنس کے ذریعے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین کے 71.111 فیصد حصے پر پانی ہے جبکہ 28.889 فیصد حصے پر خشکی ہے۔ قرآن پاک اور جدید سائنس کے ایک جیسے نتائج کیا اتفاقی حادثہ ہیں؟ یہ حقائق کس ہستی نے رسول اللہﷺ کو بتلائے تھے؟ جی ہاں! مالک کائنات نے آپ کو کائنات کے ان رازوں سے کئی صدیاں پہلے آگاہ کر دیا تھا۔

ماخوذ از قرآن کریم ترجمہ: فتح محمد جالندھری رحمہ اللہ

ناشر: قرآن سوسائٹی پاکستان جلال پور جٹاں (گجرات)

الصلوٰۃ الوسطیٰ

قرآن مجید میں سیاق کلام اور احادیث نبویہ کی روشنی میں

انجینئر مختار حسین فاروقی

یہ مضمون ''حکمت بالغہ'' کے مارچ 07ء کے شمارے میں بھی شائع کیا گیا تھا اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اب دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔(ادارہ)

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والا ہر قاری جب اس آیت پر پہنچتا ہے کہ:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرۃ:238)

''خبردار رہو سب نمازوں سے' اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے''۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ)

تو لامحالہ نماز کی محافظت کے ضمن میں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کے خصوصی ذکر پر چونک جاتا ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ یہ کس نماز کی طرف اشارہ ہے عام قاری یقیناً تفاسیر ہی کی طرف رجوع کرتا ہے(یا علماء سے رجوع کرے گا اور بالواسطہ یہ بھی تفاسیر ہی سے رجوع ہے کہ وہ بھی کسی تفسیر زیر مطالعہ سے دیکھ کر یا ذاتی مطالعہ اور ذوق سے ذہن میں موجود مفہوم کو بیان کردیں گے)۔

تفاسیر میں اس آیت کی تشریح اور ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کے تعین کے بارے میں تقریباً یکساں عبارت اور جملے ملتے ہیں مثلاً تفسیر عثمانی میں ہے:

''بیچ والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے اس کی زیادہ تاکید فرمائی کہ اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور فرمایا! کھڑے رہو ادب سے یعنی نماز میں ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ نماز نہیں پڑھتے''

اسی طرح ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

''درمیانی نماز سے کون سی نماز مراد ہے؟ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ عصر کی نماز ہے۔ حضرات علی، ابن مسعود، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیر ہم کا یہی قول ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے''

صاحب تدبر قرآن جناب امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

''الصلوٰۃ الوسطیٰ کے لفظی معنی تو بیچ والی نماز کے ہیں اور اسلوب کلام صاف شہادت دے رہا ہے کہ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس خاص سے کیا مراد ہے، تو اس کے جواب میں اہل تاویل نے بڑا اختلاف کیا ہے زیادہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے ہمارا اپنا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے''

صاحب تفہیم القرآن مولانا مودودی فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو اللہ کے آگے اس طرح کھڑے رہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں''۔

تشریح: اصل میں لفظ ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' استعمال ہوا ہے اس سے بعض مفسرین نے صبح کی نماز مراد لی ہے بعض نے ظہر بعض نے مغرب اور بعض نے عشاء کی، لیکن ان میں سے کوئی قول بھی نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے صرف اہل تاویل کا استنباط ہے سب سے زیادہ اقوال نماز عصر کے حق میں ہیں۔''

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

''کثرت سے علماء کا قول بعض احادیث کی دلیل سے یہ ہے کہ بیچ والی نماز عصر ہے''

انگریزی تفسیر میں عبداللہ یوسف علی صاحب لکھتے ہیں:

" 271-The Middle Prayer-Salat ul wusta may

be translated 'the best or most excellent prayer'_the weight of authorities seems to be in favour of interpreting this as the Asr prayer——"

اب تک کی تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد زیادہ تر عصر کی نماز ہے تاہم مفسرین نے باقی نمازیں بھی اس سے مراد لی ہیں زیادہ تر مفسرین نے جنگ احزاب کے دن ہونے والے اس واقعے سے استدلال کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی نماز عصر فوت ہوئی تو آپ نے فرمایا:۔

ملأ الله بيوتهم و قبورهم نارا كما شغلونا عن الصلوٰة الوسطىٰ حتّٰى غابت الشمس (متفق علیہ)

''اللہ تعالیٰ کفار ومشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہم کو بیچ والی نماز سے مصروف رکھ کر روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا''۔

یہاں لفظ ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' آیا ہے اس سے تعین کے ساتھ عصر کی نماز مراد ہے اکثر علماء ومفسرین نے مندرجہ بالا آیت میں بھی اسی حدیث کی روشنی میں الصلوٰۃ الوسطیٰ سے نماز عصر ہی مراد لی ہے۔

زیادہ تر مفسرین کرام نے پھر نماز عصر کے پیش نظر عصر کے وقت کی اہمیت ونزاکت پر بحث کی ہے اور جن حضرات نے دوسرے معنی کئے ہیں انہوں نے دوسرے اوقات کی اہمیت اور انسانی طبعی رجحانات کے پیش نظر رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے۔

ان سطور میں اس بات کی ایک طالب علمانہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں سیاق کلام، نظم قرآن اور دیگر داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ عام انسانی جبلی تقاضوں اور رجحانات کی روشنی میں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کے معنی کا تعین ہو سکے۔

اس مقصد کے پیش نظر آگے کی گفتگو درج ذیل مباحث پر مشتمل ہوگی:

1۔ الفاظ کی لغوی بحث

2۔ سیاق کلام میں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کی ترکیب کے تقاضے

3۔ قرآن حکیم کی دیگر شہادتیں اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ سے اقتباس

4۔ حاصل کلام

اب آیئے اسی ترتیب سے گفتگو کرتے ہوئے مدعا تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت زیر مطالعہ میں محافظت، الصلوٰۃ الوسطیٰ اور قنوت کے الفاظ اہمیت کے حامل ہیں۔ لفظ محافظت باب مفاعلہ ہے حفظ سے اور قرآن حکیم میں اس فعل کے ثلاثی مجرد اور مزید فیہ میں کئی مشتقات استعمال ہوئے ہیں ثلاثی مجرد میں حافظ اور حافظون بہت زور دار معنی میں استعمال ہوئے۔ جیسے فرمایا گیا!

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّالَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر۔9)

''بے شک ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں''۔

اسی طرح سورۃ توبہ آیت 112 میں اہل ایمان کی مختلف شانیں بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ

''اور وہ حفاظت کرنے والے ہیں ان حدود کی جو اللہ نے باندھی ہیں''۔

حفظ، حافظ، حافظون اور حافظات کے الفاظ کسی معین شے کی حفاظت اور اس میں کسی قسم کی دخل اندازی اور رخنہ اندازی کے علاوہ MISUSE سے بھی بچانے کا زوردار داعیہ رکھنے کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں جیسے!

وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ لِفُرُوۡجِھِمۡ حٰفِظُوۡنَ (المومنون)

''اور وہ اہل ایمان اپنی شرمگاہوں کو تھامتے ہیں''۔

جبکہ باب مفاعلہ میں مُحافظة سے حَافِظ اور حَافِظُوا امر کے صیغے ہیں اس میں ایک تو مقاتلہ کی طرح کسی دوسرے فریق یا داعیے کے خلاف مقابلہ کر کے حفاظت کرنے کا مفہوم ہے اور یہ علیٰ کے اضافے کے ساتھ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بار بار ایسا کرنے کے ہیں۔ دیگر

ابواب سے بھی یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے ہم اس سے اس وقت صرف نظر کر رہے ہیں۔

الصلوٰۃ الوسطیٰ

لفظ ''الصلوٰۃ'' تو بالاتفاق نماز کے معنی میں ہے اور آیت میں آگے لفظ ''قُوْمُوْا'' اور قنوت سے یہ بات مؤکد ہوتی ہے کہ یہ نماز کے لئے ہی آیا ہے۔

الوسطیٰ : وسط، اوسط سے مؤنث وسطیٰ۔ اس کے معنی بہترین بھی لئے گئے ہیں اور سامنے کی اور بیچ کی چیز کے بھی، بیچ کی چیز یا آڑے آنے والی چیز زیادہ قرین قیاس ہے جنگ احزاب کے دن والے واقعے میں یہی ہوا کہ کفار و معاندین سے مسلمانوں کا مقابلہ جاری تھا اور ہمہ وقت مستعدی اور VIGILIANCE کے نتیجے میں نماز کا وقت آیا اور نکل گیا اس کیفیت میں یہ امکان بھی ہے کہ نماز کے وقت کا احساس ہی نہ ہوا ہو۔ لٰہذا الصلوٰۃ الوسطیٰ وہ نماز ہوگی جو کسی شدید مشغولیت میں ہونے پر سرے سے بھول جائے یا یاد ہونے کے باوجود بالارادہ یا غیر ارادی طور رآدمی ادا نہ کرے یا اس مشغولیت سے نکل کر ادا کر لی جائے۔ مثلاً آج کے کاروباری حضرات کے لئے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء سب الصلوٰۃ الوسطیٰ کے ضمن میں ہونگی۔

لفظ قنوت کا معنیٰ ہے ''لزوم الطاعة مع الخضوع ''یعنی اللہ کی اطاعت لازم پکڑنا عاجزی کے ساتھ۔ قُــوْمُــوْا کا اضافہ کرکے ہر مشغولیت سے اٹھ کھڑے ہونے کا مفہوم سامنے لایا گیا ہے۔

آیت زیر مطالعہ سورۃ البقرہ میں جس مقام پر واقع ہوئی ہے وہ قرآن مجید میں عائلی قوانین ــــــــــ نکاح وطلاق کے معاملات کی سب سے طویل اور مفصل بحث کا تکمیلی اور CONCLUDING حصہ ہے۔

گویا بندۂ مؤمن یا مؤمن بندی (مرد ہو یا عورت) کے لئے ایک گھریلو زندگی میں جہاں ان احکام کی پیروی ضروری ہے اور ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جن کا تذکرہ ان چار رکوعوں پر پھیلا ہوا ہے، وہیں اس آیت میں درج ہدایات کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے، ان رکوعوں میں عورت و مرد یا میاں بیوی کے درمیان بعض پابندیوں کا ذکر ہے، پھر علیحدگی کی شکل میں طلاق کی تفصیل اور بچوں کے معاملے میں رضاعت کا ذکر ہے، مہر کی ادائیگی وغیرہ جیسے امور پر بحث کی گئی

ہے جو گھر کے ادارے میں میاں بیوی کے درمیان ناموافقت کی صورت میں پیش آ سکتے ہیں۔

دوسری صورت وہ ہے کہ میاں بیوی میں حد درجہ محبت وموافقت کے نتیجے میں دوسری انتہائی صورت پیدا ہو جائے کہ اللہ کے احکام کی وقعت کم ہونے لگے اور نماز جیسی عبادت' جو ہر روز پانچ مرتبہ وقت کے تعین کے ساتھ فرض ہے' کی اہمیت نگاہوں میں نہ رہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اس پہلو پر بڑے لطیف اور بلیغ انداز میں توجہ دلائی گئی ہے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ توجہ ادھر بھی رہنی چاہئے گویا متاہل زندگی میں مومن مرد اور مومن عورت کے درمیان جو تعلقات استوار ہوں اور محبت ومودت کا جو رشتہ قائم ہو وہ دینی فرائض اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے فریم کے اندر اندر ہی رہنا چاہئے۔

آیت زیر مطالعہ میں نماز کی محافظت کے ضمن میں پہلے عمومی موانع اور مشکلات سے متنبہ رہنے اور چوکنا رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر عام سے خاص کی طرف توجہ دلانے کے لئے خصوصی طور پر ان نمازوں کی محافظت پر زور دیا گیا ہے جو بندۂ مومن کی گھریلو زندگی اور مصروفیات کے دوران آتی ہیں اور ان نمازوں کے راستے میں جو رکاوٹیں آئیں (یعنی بیویوں سے محبت اور ان کی دلجوئی، اولاد کے ساتھ وقت گزارنا اور گھریلو مصروفیات وغیرہ) ان کو فوراً بھانپ لینے اور ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

الصلوٰۃ الوسطیٰ کے مزید تعین اور اس کے اہم ترین درجے کے پہنچاننے میں قرآن فہمی کے دوسرے اصول سے کام لیں تو مزید انشراح صدر حاصل ہوگا اور حکمت قرآنی کے کئی مزید گوشے سامنے آئیں گے وہ اصول ہے ''اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا''یعنی ایک ہی مضمون کا قرآن حکیم میں ایک سے زیادہ بار ذکر ہو تو گویا ایک حصہ دوسرے حصے کی مبہم تفاصیل کو واضح کر دے گا۔

گھریلو زندگی سے متعلق سورۂ نور میں ستر کے احکام (گھر کے اندر کا پردہ) کا ذکر ہے اور آیت 58 میں فرمایا گیا ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ

تَـضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ط ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ط لَيْـسَ عَـلَيْـكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ط طَـوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَـعْـضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط كَـذٰلِكَ يُبَيِّـنُ الـلّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

''اے ایمان والو! اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں (لونڈی یا غلام) اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل (بلوغ) کی حد کو تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب تم اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز کے پیچھے' یہ تین وقت ہیں بدن کھلنے کے تمہارے (اور گویا کہ دوسروں سے چھپنے کے) کچھ تنگی نہیں تم پر نہ ان پر ان وقتوں کے پیچھے (علاوہ) پھرا ہی کرتے ہیں ایک دوسرے کے پاس۔ یوں کھولتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے آگے باتیں' اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے''

بندۂ مومن کی نجی زندگی میں' چاہے شادی شدہ عورت ہو یا شادی شدہ مرد' یہ اوقات قربت کے ممکنہ مواقع کے ہو سکتے ہیں اور ایسے موقع پر غسل واجب ہو جاتا ہے لہٰذا موسم کی مناسبت (سردی یا گرمی)' گھریلو حالات (جائنٹ فیملی یا علیحدہ رہائش)' غسل کے انتظامات (اٹیچڈ باتھ یا دیگر مشترکہ سہولت) اور طبعی کسل مندی کے علاوہ اضافی طور پر شیطان اور نفس کی وسوسہ اندازی کی وجہ سے غسل کو عام طور پر DELAY کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

اوپر درج آیت میں اگرچہ ایسے مواقع تو تین ذکر کئے گئے ہیں تاہم عملاً اس کی سرحد پر دو ہی نمازیں واقع ہوتی ہیں' رات کو فجر اور ظہر کے بعد نماز عصر۔ فلہٰذا ــــــــــــ اس آیت کی رو سے شادی شدہ زندگی میں الصلوٰۃ الوسطیٰ نماز عصر ہے یا نماز فجر اور بندۂ مومن کو ان ہر دو میں سے جو نماز بھی آڑے آ رہی ہو اس کا اہتمام کرنے اور نفس کے مرغوبات سے علیحدہ ہو کر اللہ کی عبادت کیلئے مرد اور عورت کو عاجزی سے کھڑے ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ گھر گرہستی کی زندگی میں الصلوٰۃ الوسطیٰ نماز فجر یا نماز عصر ہے اور اس کی بروقت ادائیگی عام طور پر دشوار ہو جاتی ہے اور عملی طور پر بھی ان نمازوں کے بارے

میں گھروں میں شدید کوتاہی پائی جاتی ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑے تو کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہی ہیں' ادھیڑ عمر کے مسلمان بھی ان نمازوں کی بروقت ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں یہ کوتاہی شوہروں میں بھی بہت ہے تاہم بیویوں میں زیادہ ہے اور عام طور پر اکثر عورتیں اس طرح کی نماز فجر یا نماز عصر کو قضا کر دیتی ہیں۔

اس تقصیر میں یقیناً اگر شوہر کی قوامیت' جبر وقہر اور ہر قیمت پر اپنی خواہش کو پورا کرنے کا جذبہ کارفرما ہو تو اس گناہ کا زیادہ بوجھ بھی اسی کے حصے میں آئے گا اور اگر بیوی کی کسل مندی اور طبعی سستی کو دخل ہے تو اس کے لئے نمازوں کو قضا کرنا آخرت میں وبال جان بنے گا۔

میانہ روی اور اعتدال کا تقاضا یہ ہے کہ والدین بھی اولاد کی شادی اور رخصتی کے موقع پر نمازوں کی بروقت ادائیگی کی تلقین کریں اور شوہروں کو بھی ہر قیمت پر اپنے جذبات کی تسکین کی بجائے مصالحانہ' مشفقانہ اور معتدل رویہ اپنانا چاہئے تا کہ میاں بیوی دونوں اس دنیا میں بھی پرسکون زندگی بسر کر سکیں اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہو جائے۔ گویا الصلوٰۃ الوسطیٰ کا التزام اور محافظت بہت ضروری ہے اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور اوپر سورۃ نور کی آیت کے حوالے سے جن تین مواقع کا ذکر ہے ان تخلیہ کے لمحات کو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کر کے تقرب خداوندی کا ذریعہ بنانا چاہئے جو کہ ذرا سی محنت اور توجہ سے ممکن ہو سکتا ہے یہ کام ذرا مشکل ضرور ہو گا ناممکن نہیں ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں آغاز میں عمومی محافظت صلوٰۃ کا تذکرہ ہے اور پھر خاص کی طرف توجہ کو مبذول کرایا گیا ہے اس انداز میں اگر استدلال کو منطقی طور پر مزید آگے بڑھایا جائے تو اہل دل اور اہل ذوق کے لئے ایک اور لطیف اشارہ بھی ملتا ہے۔ نماز فجر رات کے لمحاتِ تخلیہ میں آڑے آتی ہے اور نماز عصر دن کے ظہیرہ (قیلولہ) کے لمحات میں اللہ کی یاد دلاتی ہے۔ یہاں ذرا رُک کر غور کریں اور ایمان کے درجات کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں تو حکمت کا ایک اور دروازہ کھل جاتا ہے۔

حقیقی ایمان کے درجات بے شمار ہیں تاہم سورۃ واقعہ میں مقربین کو سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز بتایا گیا ہے اسی طرح محسنین کو دیکھیں یا صادق الایمان کی اصطلاح کی حقیقت پر نظر کریں'

عاشقانِ ذات الٰہی کا گروہ ہو یا عاشقانِ رسول ﷺ ہوں، مومن کامل کہہ لیں یا مردِ مومن، بات اتنی سی ہے کہ اس درجے کے اہل ایمان کے نزدیک پانچ فرض نمازوں کے علاوہ تہجد کا اہتمام بھی بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور لسانِ رسالت ﷺ سے اس کی فضلیت پر بہت سی صحیح حدیثیں کتب احادیث میں وارد ہیں۔ جناب حضرت محمد ﷺ کے لئے تو نمازِ تہجد کی اہمیت بہت ہی زیادہ تھی تاہم آپ کے امتیوں میں سے بھی جس جس کا ایمان ایک خاص درجہ تک ترقی کرتا ہے اس کے لئے نمازِ تہجد کا التزام اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔

فلہذا ______ عموم سے خاص کی طرف استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ نمازِ فجر و عصر میں سے نمازِ فجر سے رات کے تخلیہ کے کنارے پر نمازِ تہجد سمجھی جائے، یعنی ایمان کے اعلیٰ درجات کا تقاضا یہ ہے کہ متاہل زندگی میں میاں اور بیوی دونوں کے لئے نمازِ فجر کا اہتمام تو ہونا ہی چاہئے بلکہ نمازِ تہجد کو بھی کماحقھا اہمیت دیتے ہوئے اس کو بھی الصلوٰۃ الوسطیٰ سمجھ کر ہوشیار ہو جانا چاہئے اور اس کا بھی اہتمام ضروری ہے۔ جناب نبی اکرم ﷺ تو اس نماز کا شایان شان اہتمام فرماتے ہی تھے جو انہی کے مقام بلند کی مناسبت سے تھا، تاہم آپ نے عام اہل ایمان کے لئے ترغیب وتشویق کے انداز میں اس کے اہتمام کا حکم فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے کسی مؤمن میاں بیوی (بالخصوص جوان) کی مثال دے کر ایک حدیث میں دعا دیتے ہوئے مقام مدح میں فرمایا کہ اگر مرد تہجد کے لئے اٹھے تو بیوی کو جگائے اور سستی کرنے پر بے تکلفی کی وجہ سے اسکے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اور اگر بیوی اٹھ جائے تو وہ شوہر کو جگائے اور سستی پر اسی طرح اسکے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے تاکہ نیند سے بیدار ہو جائے اور دونوں اللہ کے حضور عبادت میں لگ جائیں (وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ)۔

جناب نبی اکرم ﷺ تو تہجد کا بھی بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور اس کی کیفیت پر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات شاہد ہیں، تاہم آپ ﷺ منفرد شان کے مالک تھے تو آپ ﷺ کے معاملات میں بھی انفرادی شان پائی جاتی ہے اور اس کا CLIMAX اور ذروۂ سنام ایک روایت ہے جو اگرچہ بعض وجوہات کی بنا پر ہم یہاں نقل نہیں کر رہے تاہم اس کو تفصیل ابن کثیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے سورۃ ال عمران کے آخری رکوع کی آیات 190 اور 195 کی تفسیر میں

تین اصحاب کے سوال پر کہ آنحضرت ﷺ کی کون سی ادا سب سے عجیب تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے درج کیا ہے، وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ :-

☆ قرآن مجید میں نمازوں کی حفاظت کا عمومی حکم بھی ہے۔ اور اہل ایمان کی شان یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی مطلقاً حفاظت کرتے ہیں اور حدیث میں وقت پر نماز کی ادائیگی کو افضل نماز کہا گیا ہے (سورۃ المومنون، سورۃ المعارج)۔

☆ آیت زیر مطالعہ میں امر کے صیغے کے ساتھ گھریلو اور متاہل زندگی کے پس منظر میں اہل ایمان کو نمازوں کی محافظت کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا یہاں خصوصی مرغوبات اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کے علی الرغم نمازوں کی پابندی اور اہتمام کا اشارہ ہے۔

☆ عام سے خاص کی طرف سلسلہ کلام میں الصلوٰۃ الوسطیٰ کہہ کر گھریلو زندگی میں ہر نماز اور مومن مرد اور عورت (میاں بیوی) کے رات کے تنہائی کے لمحات کے بعد نماز فجر اور دوپہر کے قیلولہ کے بعد نماز عصر کے خصوصی اہتمام کا حکم ہے۔

☆ مزید گہرائی میں جائیں تو حکمت قرآنی اور حکمت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ خزانہ بھی سامنے آتا ہے کہ اس مقام پر مومن شوہر اور مومن بیوی کیلئے نماز تہجد کا اہتمام بھی ضروری ہے لہٰذا پہلے درجے اور اعلیٰ ترین مقام بندگی پر فائز اہل ایمان کیلئے الصلوٰۃ الوسطیٰ نماز تہجد بھی ہو سکتی ہے اگرچہ ہمارے لئے یہ فرض نہیں تاہم اس کی فضیلت اپنی جگہ پر ہے گویا ــــــــــــ مفسرین کے اقوال کے مطابق الصلوٰۃ الوسطیٰ تو ان ہی پانچ

نمازوں میں سے ہی کوئی قرار پائی اور نماز فجر اور نماز عصر پر زور استدلال ہے، تاہم مندرجہ بالا صفحات میں کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کے قرائن اور احادیث اور سنت نبویؐ سے اس کو مدلل کر کے پیش کیا جائے تاکہ ہر قاری نہ صرف نتیجہ تک پہنچ سکے بلکہ اس کے ساتھ استدلال کی کڑیاں خود ملانے پر اس کو ایک درجے میں اطمینان قلب بھی میسر ہو، تاکہ وہ یکسوئی اور بھرپور جذبہ عمل کے ساتھ اس چیز کے حصول میں لگ جائے جس ذوق وشوق اور لگن کا یہ آیت تقاضا کرتی ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ راقم نے اگرچہ اپنی امکانی حد تک کوشش کی ہے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ کے مفہوم کو واضح کر سکے، تاہم اگر کہیں غلطی اور استدلال کی کجی نظر آئے تو ضرور مطلع

فرمائیں تاکہ اس کو درست کیا جاسکے۔

آئینۂ
ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ
جنوری تا دسمبر 2008ء

قارئین کرام کی سہولت اور دلچسپی کے لئے گزشتہ سال (2008ء) کے تمام شماروں کے مضامین کو ایک نگاہ میں دیکھنے اور کسی مضمون کی تلاش میں آسانی کے لئے ہر شمارے کے مضامین کی فہرست یکجا ہدیۂ قارئین ہے۔

جنوری 2008ء

1۔	فرمانِ خداوندی (سورۃ الحدید کی آیات)	
2۔	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی
3۔	قرآن مجید کی پانچ بنیادی اصلاحات (3) حیات و ممات	انجینئر مختار فاروقی
4۔	قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ فہم دین پروگرام (تیسرا خطاب) قرآن ہمارا	انجینئر مختار فاروقی
5۔	آئینۂ حکمت بالغہ جنوری تا دسمبر 07ء	

فروری 2008ء

1۔	فرمان خداوندی (سورۃ الحدید کی آیات)	
2۔	حرف آرزو	انجینئر مختار فاروقی
3۔	قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ تفہیم دین پروگرام (چوتھا خطاب) منزل ہماری	شجاع الدین شیخ
4۔	بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کی چار ہزار سالہ تاریخ کا مختصر تذکرہ	انجینئر مختار فاروقی

5۔ ڈی این اے تخلیق الٰہی کا کرشمہ — انجم اقبال

مارچ 2008ء

1۔ فرمان خداوندی (سورۃ الحدید کی آیات)

2۔ حرف آرزو — انجینئر مختار فاروقی

3۔ حجۃ الوداع، نبی رحمت ﷺ — مولانا ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ

4۔ قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ تفہیم دین پروگرام

(پانچواں خطاب) عزم ہمارا — خالد محمود عباسی

5۔ تخلیق اور ارتقاء (3) — ساجد محمود مسلم

6۔ حکمت بالغہ کے اجراء پر تہنیتی خطوط

محمد رشید عمر فیصل آباد — عبدالرزق لاہور — محمد سمیع کراچی

7۔ قرآن اکیڈمی جھنگ کی دعوتی سرگرمیاں

8۔ تبصرۂ کتب

اپریل 2008ء

1۔ فرمان خداوندی (سورۃ الحدید کی آیات)

2۔ حرف آرزو — انجینئر مختار فاروقی

3۔ سیرت النبی ﷺ اور ایک مسلمان کی ذمہ داریاں — انجینئر مختار فاروقی

4۔ سافٹ ڈرنکس — ڈاکٹر غلام مرتضیٰ

5۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے مساجد اور مدارس پر اثرات — افتخار الحسن میاں

6۔ مسلمانوں کی سائنسی خدمات — لطف الرحمٰن خان

7۔ کیوں فرمان عزیز کو بھول گئے ہوائے لوگو! — محمد رشید عمر

مئی 2008ء

1۔ فرمان خداوندی (سورۃ المجادلہ کی آیات)

2۔ حرف آرزو — انجینئر مختار فاروقی

3۔ توہین رسالت کیوں سنگین جرم ہے؟ — انجینئر مختار فاروقی

4۔ قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ تفہیم دین پروگرام

(چھٹا خطاب) راستہ ہمارا — حافظ عاکف سعید

5۔ قرآن اکیڈمی جھنگ کے زیر اہتمام

20 نامور اسلامی شخصیات پر سیمینار — انجینئر مختار فاروقی

جون 2008ء

1۔ فرمان خداوندی (سورۃ المجادلہ کی آیات)

2۔ حرف آرزو — انجینئر مختار فاروقی

3۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز — انجینئر مختار فاروقی

4۔ حیات دنیوی اور حیات اخروی' حقیقت موازنہ اور فوز عظیم — رحمت اللہ بٹر

5۔ قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ تفہیم دین پروگرام

(چھٹا خطاب) راستہ ہمارا (2) — حافظ عاکف سعید

6۔ عوامی سطح پر دینی فکر کی پختگی اور انقلابی شعور کی بیداری کا عظیم کام — محمد فہیم

7۔ حکمت بالغہ کے اجراء پر تہنیتی خطوط

نعیم اختر عدنان — عبدالقیوم — ضمیر اختر خان

8۔ پچیس روزہ قرآنی تربیت گاہ چند شرکاء کے تاثرات

جولائی 2008ء

1۔ فرمان خداوندی (سورۃ المجادلہ کی آیات)

2۔ حرف آرزو — انجینئر مختار فاروقی

3۔ رویت ہلال کا مسئلہ بصری یا نظری — انجینئر مختار فاروقی

4۔ حضرت نعمان ابن ثابت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ — انجینئر مختار فاروقی

5۔ آپ محسود ہیں یا حاسد؟ فرمان رسالت کی روشنی میں — انجینئر مختار فاروقی

6۔ قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ تفہیم دین پروگرام

(ساتواں خطاب) وطن ہمارا (1) — ڈاکٹر اسرار احمد

اگست 2008ء حقیقت علم نمبر

1۔ فرمان خداوندی

2۔ حرف آرزو

3۔ پہلا حصہ (مشاہدہ...... تجربہ اور عقل)

4۔ دوسرا حصہ (تجرباتی علوم پر تعقل کی حکمرانی)

5۔ تیسرا حصہ (سوشل سائنسز کی تشکیل و ترقی)

6۔ چوتھا حصہ (فکر مغرب کا فطری اساسات سے انحراف اور اس کے تباہ کن نتائج)

7۔ پانچواں حصہ (پس چہ باید کرد؟...... علاج)

ستمبر 2008ء

1۔ فرمان خداوندی (سورۃ المجادلہ کی آیات)

2۔ حرف آرزو — انجینئر مختار فاروقی

3۔ رسول اکرم ﷺ نے رمضان کیسے گزارا؟ — انجینئر مختار فاروقی

4۔ قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ تفہیم دین پروگرام

(ساتواں خطاب) وطن ہمارا (2) — ڈاکٹر اسرار احمد

5۔	حاصلِ رمضان	چودھری رحمت اللہ بٹر
6۔	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ	انجینئر مختار فاروقی
7۔	تبصرۂ کتب	

اکتوبر 2008ء

1۔	فرمان خداوندی (سورۃ الحشر کی آیات)	
2۔	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی
3۔	حضرت عمرؓ اور تصوف	ڈاکٹر غلام محمد رحمہ اللہ (کراچی)
4۔	قرآن اکیڈمی ملتان میں 7 روزہ تفہیم دین پروگرام (ساتواں خطاب) وطن ہمارا (3)	ڈاکٹر اسرار احمد
5۔	بزرگان دین کے عرسوں پر میلوں ٹھیلوں کا عذاب	پروفیسر حافظ عون محمد سعیدی
6۔	حضرت امام محمد غزالی رحمہ اللہ	انجینئر مختار فاروقی

نومبر 2008ء

1۔	فرمان خداوندی (سورۃ الحشر کی آیات)	
2۔	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی
3۔	حقیقت تصوف	ڈاکٹر اسرار احمد
4۔	مکاشفات اقبال......قیام پاکستان اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ	مظفر حسین

5۔ حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ — انجینئر مختار فاروقی

6۔ حقیقت علم نمبر (اگست 08ء) پر اہل علم کے تبصرے
پروفیسر صفدر علی شاہ — پروفیسر خلیل الرحمٰن

دسمبر 2008ء

1۔ فرمان خداوندی (سورۃ الحشر کی آیات)

2۔ حرف آرزو — انجینئر مختار فاروقی

3۔ قرآن پاک اور سائنس — انجینئر سلطان بشیر محمود

4۔ پاک سرزمین......ایک منفرد خطہ زمین — انجینئر مختار فاروقی

5۔ اسلام میں معلّم کا کردار — عتیق الرحمٰن صدیقی

6۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ — انجینئر مختار فاروقی

7۔ دین اسلام کا تقاضا' خلافت کا قیام ہے — پروفیسر خالد شبیر احمد

سلطان الملک الناصر
صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ

انجینئر مختار فاروقی

آپ امیر نجم الدین ایوب کے ہاں 532ھ (1138ء) میں تکریت (عراق) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ صفر 589ھ (1193ء) میں دمشق میں وفات پائی۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ آٹھ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی اسلامی دنیا میں معروف ہیں اور ان کا نام عزت احترام سے لیا جاتا ہے ان کا تذکرہ مسلمانوں کے خون میں زندگی کی لہر دوڑاتا ہے اور جذبہ و ولولہ پیدا کرتا ہے، آج بھی لوگوں کے لیے ان کی شخصیت روشنی اور ہدایت کا مینار ہے وہ علوم دینیہ کے دلدادہ اور علماء کے سرپرست اور تعمیرات کا شوق رکھتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا تذکرہ ہوتو لازماً صلیبی جنگوں کا خیال آجاتا ہے اور ذہن ان یورپی مذہبی جنونیوں کی طرف لوٹ جاتا ہے جو اپنے وطن سے بارہا پیادہ سینکڑوں میل کا سفر کر کے مذہبی بنیادوں پر مسلمانوں سے جنگیں کرنے کے لئے حملہ آور ہوتے رہے۔ یہ صلیبی جنگیں جنہیں CRUSADES کہا جاتا ہے گزشتہ ایک ہزار سے جاری ہیں (یہاں تک کہ 2001ء میں امریکی صدر بش کی زبان سے موجودہ اسلام دشمن اتحادی سرگرمیوں اور مسلم کش حملوں کے لئے بھی CRUSADES کا لفظ ہی ہر آیا تھا جو ان کے باطنی عزائم اور خفیہ منصوبوں کا اظہار تھا جس کے لئے بظاہر اس نے معذرت کر لی)۔

یہ صلیبی جنگیں کیا ہیں؟ اور کیوں لڑی گئیں اور آخر 1000 سال سے یہ جنگیں کیوں

جاری ہیں؟ سلطان صلاح الدین کے حالات زندگی پڑھنے سے ان سب سوالوں کا جواب مل جاتا ہے۔ ان جنگوں کی شدت اور یورپی مسیحی برادری کے دل کی جلن اور سینے کے داغوں کا' سلطان صلاح الدین ایوبی کے اس قول سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہ فرماتے ہیں:

''جب تک ایک مسلمان زندہ ہے یورپی عیسائیوں کی طرف سے صلیبی جنگ جاری رہے کی تاوقتیکہ اس کو بھی ختم نہ کردیں''

یہ جملہ اس سلطان کا ہے جو مسلسل چالیس سال تک ان سے نبرد آزما رہا اور ان اسلام دشمن صہیونی و مسیحی مذہبی جنونی طبقہ سے میل جول کے باعث ان کے عزائم اور منصوبوں سے بخوبی آگاہ تھا۔

مسیحی دنیا اور مسلمانوں کے درمیاں جنگوں کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے شروع ہوا اور عیسائیوں نے اپنی ہی کتابوں کی پیشگوئیوں کے مطابق بغیر جنگ کے قلعہ بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کردیا، تاہم وہ اسے آج تک بھلا نہ سکے۔

اس کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں نے میدان جنگ کی بجائے مسلم عسکری قوت کو نیچا دکھانے کے لیے سازشوں کا جال پھیلانے کا راستہ اختیار کیا اور ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کے عقائد اور ایمانیات کو متزلزل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ دور بنوامیہ کے بعد جب دور بنوعباس آیا اور دارالحکومت دمشق سے بغداد منتقل ہوگیا تو مسیحی دنیا کو سازشوں کا جال وسیع کرنے کا نادر موقع مل گیا اور انہوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا، قسطنطنیہ اس وقت تک عیسائی دنیا کا گڑھ اور قوت کا مرکز تھا۔ لہٰذا۔۔۔۔۔اندونی سازشوں سے مسلمانوں کو باہم لڑا کر جب کمزور کردیا تو یہود اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو پنچا دکھانے اور آسمانی ہدایت کو مٹانے کی غرض سے خوفناک منصوبہ بنایا اور اس کام کے لئے مسیحی دنیا کو آمادہ کرنے کے لئے اس منصوبہ کو مذہبی نام دیا صلیبی جنگ CRUSADES جس سے یورپ کے طول وعرض میں مذہبی رہنما لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے اور عوام وخواص، پیر و جوان، غریب اور امیر، مزدور اور کسان، محنت کش اور راجے مہاراجے، لارڈ پرنس' غرض ہر سطح کے لوگوں کو اس مذہبی جنون نے اس درجہ متاثر کیا کہ لوگ اس مقدس میں شرکت کے لیے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔

یہ سلسلہ گیارویں صدی کے وسط سے شروع ہوکر پندرویں صدی تک چلا ہے اور اس طرح دس بڑی جنگیں لڑی گئی ہیں۔

پہلی مہم جو 1095ء سے شروع ہوکر 1142ء میں ختم ہوئی اس مہم میں بنوعباس کی کمزوری کے باعث بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن گیا اور وہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا اس فتح کے نشے سے سرشار ہوکر انہوں نے مزید مسلم علاقے بھی فتح کر لیے۔

ان حالات میں اللہ تعالی نے سلطان نورلدین زنگی اور اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کو اٹھایا اور سلطان صلاح الدین کی بھرپور مہم جوئی سے اس صلیبی جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور 1190ء کے لگ بھگ تقریباً نوے سال بعد بیت المقدس (مدینے میں آمد پر مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے بعد میں تحویل قبلہ کا حکم آیا اور مکہ میں اللہ کا گھر قبلہ قرار پایا پھر بیت المقدس معراج النبی ﷺ کے سلسلہ میں ایک اہم پڑاؤ یا LANDMARK کی حیثیت بھی رکھتا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے نزدیک بھی بیت المقدس کی بڑی اہمیت ہے) کی بازیابی ممکن ہوسکی اور صلیبی جنگ میں پورے یورپ کا تن تنہا مقابلہ کر کے ان کو شکست سے دوچار کر دینا یہ سلطان ہی کا کام تھا اور اسی کی دوششوں کا نتیجہ۔

سلطان کی بہادری، فیاضی، عالی ظرفی دشمنوں سے بھی نیک سلوک کی وجہ سے آج بھی یورپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام سے خائف رہتا ہے اور دلوں میں شدید نفرت اور بغض چھپائے ہوئے ہے جو بظاہر چھپانے سے چھپتے نہیں۔

اس تیسرے کروسیڈ جس میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو فتح ہوئی اس کے بعد بھی مسیحی مذہبی رہنما بیت المقدس کے حصول کے لئے جنگی جنون کو عام کرتے رہے مگر ان کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوسکی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کس طرح چالیس سال کی مسلسل محنت کے بعد بیت المقدس واپس لیا اور یورپ کا راستہ روکا اس کے متعلق تاریخ میں ہے کہ اس جلیل القدر سلطان کا حال یہ تھا کہ:

''سلطان صلاح الدین کا ایک خاص کریکٹر جس نے اس کو اسلامی دنیا میں عزیز

الوجود اور مسلمانوں کا ایک محبوب ہیرو بنایا، تمام دنیا سے اس کی عظمت اور ناموری کو تسلیم کروایا، صلاح الدین اعظم کا اس کو خطاب دلوایا اور اس کے بزرگ نام کو صفحۂ ہستی پر لاثانی بنا دیا وہ اس کی بے نظیر ہمت، شجاعت استقلال اور اسلام کی حمایت کا ان تھک جوش تھا جو کسی وقت اور کسی حالت میں کم نہیں ہوتا تھا۔ یہ اسی عدیم المثال ہمت اور جوش کا نتیجہ تھا کہ ہم ایک سلطان کو بلکہ زیادہ صحیح طور پر کہا جاوے کہ ایک شاہنشاہ کو جو مصر، شام، عراق، بحرین، یمن اور افریقہ کے بعض صوبوں کا مالک و فرمانروا تھا اور جس کے سامنے اسلامی سلاطین کے ہر ایک درجہ کی معاشرت اور عیش وعشرت کی زندگی کے نمونے اور سامان موجود تھے تمام انسانی حظوظ سے کنارہ کش ہو کر ایک خیمہ کی مملکت کی زندگی بسر کرنے پر قانع اور مسرور دیکھتے ہیں' کسی انسان کا جوش یا ایک وصف اس سے بڑھ کر اور کیا قربانی اس سے کرا سکتا ہے۔ سلطانی عظیم الشان قصروں اور محلوں کی پر عیش وعشرت، پُر امن اور محفوظ زندگی کو ترک کر کے جو شخص اپنی خوشی سے عناصر کی شدتوں، برف، بارش اور طوفان اور کثیر التعداد دشمنوں کے مقابلہ میں ایک خیمہ کو اپنے واسطے اختیار کرتا ہے، وہ دنیا سے اس خراج کے حاصل کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے جو صلاح الدین نے حاصل کیا، خیمہ اس کی محل سرائے تھا، گھوڑے کی پیٹھ اس کا تخت تھا، اہل فوج اس کے درباری اور وہی اس کی پیاری اولاد تھے، تلوار کی چمک اس کی شان وشوکت کے سامان تھے، اور یہی سرد لوہا اس کی دلچسپی کے اسباب۔ اس کے جوش استقلال، ہمت اور شجاعت کی تشریح کے واسطے واقعات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تمام زندگی کے حالات جو بیان ہو چکے ہیں اس کو ایک بہادر سپاہی، ایک لائق جرنیل اور ایک ان تھک اور پُر جوش مسلمان فرمانروا کے سوائے اور کچھ ثابت نہیں کرتے ہیں۔ وہاں نہ شاہانہ درباروں کی شوکتیں ہیں نہ مصنوعی عظمتوں اور ہیبتوں کے تماشے ہیں، نہ آراستہ و پیراستہ محلوں میں راگ ورنگ کی محفلیں ہیں بلکہ یہاں تو صرف ننگی تلواروں کے ہیبت ناک منظر ہیں جو نیاموں میں جانے کے بعد اپنے منہ پر سے خون کو بھی خشک نہیں ہونے دیتیں''۔

بیت المقدس چھن جانے کے باعث عیسائیوں میں غیظ وغضب کی لہر دوڑ گئی اور تیسرا صلیبی حملہ اس کا ردعمل تھا۔اس حملے میں جرمنی کے بادشاہ فریڈرک باربروسا، انگلستان کے بادشاہ رچرڈ شیرول اور فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹس نے شرکت کی۔ان میں جرمنی کا بادشاہ تو ایشائے کوچک کے ایک دریا میں ڈوب کر مر گیا اور فرانس کا بادشاہ' رچرڈ سے اختلاف کے باعث واپس چلا گیا جبکہ رچرڈ شیرول سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلح کا معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔اس کے بعد بھی یورپ کے بظاہر امن پسند مسیحیوں کی جارہانہ اور جنوبی سرگرمیاں ختم نہیں ہوئیں بلکہ وقتاً فوقتاً صلیبی جنگوں میں عوام اور وسائل کو جھونکتے رہے مگر ہر بار ناکام رہے۔

ان ساری صلیبی جنگوں کے پیچھے' یہود' کا سازشی ہاتھ کارفرما تھا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی پروکار جو انہیں اللہ کا بندہ اور پیغمبر سمجھتے تھے بہت کم تھے اور وہ بھی غیر معروف جبکہ کیتھولک عقائد کے حامل مسیحی سینٹ پال کے پروکار تھے اور ان کے عقائد تثلیث پر مبنی تھے جو ایک پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں۔یہ تثلیث کا عقیدہ فروغ دینے میں بھی یہود کی مساعی سرفہرست ہیں۔یہود نے یورپ کی فوجی قوت کے ذریعے مسلمانوں کو دبانا چاہا اور مسلم علاقے فتح کرنے چاہے جس میں ناکام اور نامراد ہوئے تو یہود نے اپنی پالیسی اور طریقہ کار یکسر بدل دیا---------(اس کی تفصیلات پھر کسی موقع پر تحریر میں آئیں گی)

سلطان صلاح الدین ذاتی کردار اور انسانی اوصاف اور حسن سلوک کے اعتبار سے اتنا بلند انسان تھا کہ اس کی تعریف میں مبالغہ کی حد تک بات درست ہے۔

''سلطان کے جوش اور شجاعت کا اثر اگر اس کی ذات یا ذاتی افعال تک محدود ہوتا تو معتدبہ نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا تھا، یہ اس کا جوش تھا جو اس کے چاروں طرف پھیل گیا تھا، یہ اس کا جوش تھا جس نے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو جمع کر لیا تھا، یہ اس کا جوش تھا جس کا عکس مسلمانوں کے دلوں پر پڑ رہا تھا، یہ اس کا جوش اور اس کی ہمت تھی جس نے قوم کے لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں کو مضبوط کر کے اسے کھڑا کر دیا تھا، یہ اس کی ہمت اور شجاعت تھی جس نے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا بھولتا ہوا سبق پھر یاد دلایا تھا جس نے پژمردہ دلوں کو تازگی دی تھی اور مسخر کر لیا تھا یہ اس کا دل تھا جس نے

مسلمانوں کے متفرق دلوں کوایک مشترک غرض کے واسطے جمع کرلیا تھا۔اسلامی دنیا اس وقت سوچکی تھی،ایوان اسلام بوسیدہ ہونے لگا تھا جس دردناک صدااور دلکش نغمہ نے سوتوں کو جگالیا تھا وہ صلاح الدین ہی کا تھا جن ہاتھوں نے اس عمارت کوگرنے سے بچالیا وہ صلاح الدین کے تھے۔عیسائی دنیااور فرنگستانی عالم کے مقابلہ میں جو وجودایک آہنی دیواراور مضبوط پہاڑ کی طرح کھڑے ہوگئے اور جنہوں نے اسلامی عزت اور ننگ ناموس کوازلی دشمنوں کے ہاتھوں سے بچالیاان میں صلاح الدین کا دل تھا''۔

سلطان کی ہمت اورشجاعت کے بارے میں مؤرخ ابن شداد لکھتا ہے۔

''وہ بڑاقوی دل، بارعب، بہادر، بے مثل شجاع اور حددرجہ کا ثابت قدم تھاکوئی مہم اور کوئی مصیبت اس کوڈرانہیں سکتی تھی عیسائیوں کے ساتھ سخت سے سخت مقابلوں کی وہ پرواہ نہیں کرتا تھا۔موسم سرما کی شدید سردیوں میں جنگ اور حملوں میں مصروف رہتا تھااور بہت دفعہ قلیل فوج کے ساتھ کثیر التعداد دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں تأمل نہیں کرتا تھا''۔

اعلائے کلمۃ الحق کے جوش کے سوا سلطان کی زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں تھااوراس کی تمام کامیابیاں جواسے عیسائیوں کے مقابلے میں حاصل ہوئیں یہ کامیابی قابل ذکر ہے کہ اس نے قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ کوعیسائیوں کے اس دارالحکومت میں مسجد کی تعمیر اوراماموں اور مؤذنوں کے تقرر پرراضی کرلیا۔

اس کے ذاتی اخلاق میں فیاضی، احسان ،عفو،درگزرمرّوت اور حلم بہت نمایاں ہیں سلطان ایک عدل پسند بادشاہ اور انصاف کرنے والاحکمران تھا۔اوران شاءاللہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے اپنے سائے میں نمایاں جگہ دے گا۔

سلطان علم کی قدردانی کرتا اوراہل علم سے تعلقات بڑھاتا اوران کی قدرکرتا،علم کے حصول کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا اہل علم کی محفلوں میں شریک رہتا اورقرآن و حدیث اور جہاد سے متعلق باتیں سن کرانہیں پلے باندھ لیتا۔

سلطان نے اپنے دورِحکومت میں بے شمار مدارس تعمیر کرائے اوراس کے لئے قابل اساتذہ مقرر کیے اور شاندار عمارات تعمیر کرائیں۔ کتابوں سے اس کو خصوصی شغف تھا اس نے کتابیں جمع کیں اور کتب خانے تعمیر کرائے جس سے رعایا میں علم کا ذوق پیدا ہو گیا۔ اس نے رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی دلچسپی لی اور شفاخانے تعمیر کرائے اوران کا بہترین انتظام کیا۔

سلطان کا بڑا کارنامہ مصر کے فاطمی حکمرانوں کے اقتدار کا خاتمہ تھا اللہ نے یہ سعادت اس کے لئے لکھ دی تھی فاطمی حکمران مسلمان ریاست سے روابط بڑھانے کی بجائے مرکز گریز رجحانات کی بنا پر دشمنوں سے زیادہ رابطہ رکھتے تھے اور کئی موقعوں پر فاطمی حکمرانوں نے صلیبیوں کی مدد کی تھی تاکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جا سکے۔

سلطان ایک فیاض اور سخی انسان تھا اوران سب اوصاف کے ساتھ وہ پابند شریعت تھا اور خود اللہ اوراس کے رسول کی فرمانبرداری میں اپنی سعادت سمجھتا تھا اور دینی احکام کی پابندی میں فخر محسوس کرتا تھا۔

غرض سلطان ذاتی اخلاق وکردار، شریعت کی پابندی اور جہاد وحکومت انتظام وانصرام مملکت پر کام میں ایک مثالی انسان تھا اوراس کے کردار کے اثرات اسی دور کے معاشرے پر بھی پڑے اور آج تک مسلمانوں کے اجتماعی شعور اور حافظے پر موجود ہیں۔

ے بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ سیمینار 5 نومبر 06ء، بروز اتوار، صبح 9:30 تا 12 بجے منعقد ہوا تھا۔ اس میں مہمان خصوصی تھے جناب ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی ملتان اور دیگر مقررین میں پروفیسر مہر غلام سرور اور انجینئر مختار فاروقی شامل تھے۔